پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

تعلیم و تربیت

جنوری 2016

نیا سال

READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM

2016

UAN: 111 62 62 62

75 واں سال نواں شمارہ

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

تعلیم و تربیت

2016 جنوری

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

کسی غریب اور مفلس شخص کو اللہ تعالیٰ نے تھوڑے عرصے میں امیر کبیر بنا دیا۔ وہ جس کام میں ہاتھ ڈالتا اسے فائدہ ہوتا۔ تجارت کی تو اس میں بہت سا فائدہ ہوا۔ وہ شخص اپنی عقل اور دانش مندی کی لوگوں میں تعریف کرتا رہتا۔ لوگوں کو بتاتا کہ یہ دولت میں نے اپنی عقل اور سمجھ کے زور سے پیدا کی ہے۔ میں نے پچھلے سال یہ سوچ کر روئی خریدی کہ پڑوسی ملک میں جنگ شروع ہونے والی ہے اور روئی مہنگی ہو جائے گی۔ لڑائی شروع ہوئی تو روئی مہنگی ہوئی اور فروخت کرنے پر مجھے بہت سا فائدہ ہوا۔ میں نے فلاں سال اناج خریدا تو اس میں ہزاروں روپے کی بچت ہوئی۔ میں نے میلہ مویشیاں میں گائے بھینس خریدی تو اس میں مجھے قیمت خرید سے چار گنا فائدہ ہوا۔ میں نے گاؤں میں زرعی زمینیں خریدیں جس کو لوگ مہنگا کہتے تھے لیکن فروخت کرنے پر مجھے ڈھیروں فائدہ ہوا۔ غرض اس طرح ہزاروں مثالیں لوگوں کے سامنے اپنی بڑائی میں پیش کرتا۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ تھوڑے عرصے بعد بُرے وقت نے اسے آ گھیرا اور وہ معمول سے وقت میں خالی ہاتھ ہو گیا۔ گاؤں میں بارش نہ ہوئی تو اناج پیدا نہ ہوا۔ کرایہ داروں نے کرائے کی ایک کوڑی ادا نہ کی۔ اس کے مال مویشی ایسی وبا میں مبتلا ہوئے کہ آہستہ آہستہ مرنے لگے۔ گھر میں آگ لگی تو سارا گھر جل کر راکھ ہو گیا۔ اس کے پاس نقد پیسے جو تھے وہ چوری ہو گئے۔ یہ چیزیں دیکھ کر وہ شخص اپنی قسمت کو بُرا کہتا لیکن قسمت نے اپنی بُرائی سن کر اس شخص سے کہا: ''او ناشکرے انسان! جو بہتر کام اور چیزیں تھیں وہ تو اپنی عقل سے منسوب کرتا رہا اور جو بُرائی حصے میں آئی وہ میرے ذمے لگاتا ہے۔''

انسان کی خصلت ہے کہ جب خوش حال ہوتا ہے تو اپنی کوشش پر ناز کرتا ہے تو جب کسی تکلیف یا مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اپنی قسمت اور تقدیر کو بُرا بھلا کہتا ہے۔

نیا سال آپ کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ پہلے تو آپ کو ڈھیر ساری دُعاؤں کے ساتھ نیا سال مبارک ہو۔ ہم دُعا کرتے ہیں کہ نیا سال آپ کو رحمتوں، برکتوں اور خوشیوں سے مالا مال کرے اور آپ کے والدین، عزیز و اقارب، بہن بھائی سب صحت سلامتی کے ساتھ خوش و خرم رہیں۔ آمین!

نئے سال پر آپ نے عہد کرنا ہے کہ خوب محنت اور لگن سے پڑھائی اور اچھے سے اچھا کام کریں گے۔ خدا آپ کا حامی و ناصر ہو!

ایڈیٹر، پبلشر: ظہیر سلام

اسسٹنٹ ایڈیٹر: عابدہ اصغر

سرکولیشن اسسٹنٹ: محمد بشیر راہی

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت پیشگی بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں سرکولیشن منیجر: ماہنامہ "تعلیم و تربیت" 32۔ ایمپرس روڈ، لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔
فون: 36361309-36361310 فیکس: 36278816

پرنٹر: ظہیر سلام
مطبوعہ: فیروز سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ، لاہور۔
سرکولیشن اور اکاؤنٹس: 60 شاہراہِ قائداعظم، لاہور۔

خط و کتابت کا پتا
ماہنامہ تعلیم و تربیت 32۔ ایمپرس روڈ، لاہور۔
UAN: 042-111 62 62 62 Fax: 042-36278816
E-mail: tot.tarbiatfs@gmail.com
tot.tarbiatfs@live.com

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک) = 1000 روپے۔
مشرقِ وسطیٰ (ہوائی ڈاک سے) = 2400 روپے۔
ایشیا، افریقہ، یورپ (ہوائی ڈاک سے) = 2400 روپے۔
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا، مشرقِ بعید (ہوائی ڈاک سے) = 2800 روپے۔

قیمت فی پرچہ 30 روپے

حمد باری تعالیٰ

تو نے ہی یا الٰہی! سارا جہاں بنایا
یہ چاند اور سورج، یہ آسماں بنایا
پھل پھول، بیل بوٹے تو نے بنائے سارے
تو نے ہی آسماں پہ روشن کیے ستارے
چشمے بنائے تو نے، دریا بہائے تو نے
کلیاں کھلائیں تو نے، پودے اُگائے تو نے
تو نے سکھا دیا ہے، چڑیوں کو چہچہانا
یہ شام اور سویرے پیڑوں پہ گیت گانا
چڑیوں کو جس طرح سے پَر تولنا سکھایا
ہم کو بھی تو نے یا رب! ہے بولنا سکھایا
تعریف یا الٰہی! کیا کیا بیاں ہو تیری
اوروں کو جان بخشی، ہم کو زباں بھی دی
سارے جہاں کو یا رب! روزی دلائی تو نے
بھٹکے مسافروں کو منزل دکھائی تو نے
چھوٹے بڑے جہاں میں لے لے کے نام تیرا
کرتے ہیں شکر یا رب! ہر صبح و شام تیرا

......☆......

نعت رسول مقبول ﷺ

ہر اک مقام سے ہے
اُونچا مقام اُنؐ کا
صادق ہیں وہ امیں ہیں
احمدؐ ہے نام اُن کا
رحمت ہیں وہ سراپا
ہے فیض عام اُنؐ کا
عالی ہے مرتبے میں
ادنیٰ غلام اُنؐ کا
سینکڑوں مشکلوں کے حل کے لیے
ایک کلمہ پڑھیں محمدؐ کا
حمدِ حق ہو زبان پہ جاری
دم ہمیشہ بھریں محمدؐ کا
شرع کی پیروی کریں دل سے
سر میں سودا رکھیں محمدؐ کا
دینِ اسلام کا کریں چرچا
سب کو پیغام دیں محمدؐ کا

......☆......

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ ''لوگو! تمہارے پاس ایک ایسی چیز آئی ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک نصیحت ہے اور دلوں کی بیماریوں کے لیے شفاء ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا سامان ہے۔'' (سورۂ یونس، آیت:57)

پیارے بچو! آپ جانتے ہیں کہ قرآنِ پاک اللہ تعالیٰ کا کلام اور خالق ومالک کا پیام ہے۔ قرآنِ پاک تمام آسمانی کتابوں میں سب سے آخری لیکن سب سے افضل اور سچی کتاب ہے۔ قرآنِ پاک تمام انبیاء اور رسولوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں وفضیلتوں کا سرچشمہ اور دُنیاوی واخروی نعمتوں اور دولتوں کا خزانہ ہے۔ اس کی عظمت بے انتہا اور خوبیاں لامحدود ہیں۔ مذکورہ آیت مبارکہ میں قرآنِ مجید کی صرف تین خوبیوں کا ذکر ہے:

(1) قرآنِ پاک موعظت یعنی نصیحت ہے۔
(2) قرآنِ پاک سینوں کے لیے شفاء ہے۔
(3) قرآنِ پاک مؤمنین کے لیے ہدایت اور رحمت کا باعث ہے۔

آیئے! قرآنِ پاک کی ان تین خوبیوں کو قدرے تفصیل سے جانتے ہیں۔

پہلی خوبی: قرآن نصیحت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں بُرائیوں کو چھوڑنے اور احکام پر عمل کرنے کی تعلیم ہے اور عمدہ اخلاق اور اچھے اعمال اختیار کرنے کی تلقین ہے۔ دُنیا کی اس زندگی کے بعد آنے والی زندگی (آخرت) کے اچھے اور بُرے حالات کا تذکرہ ہے۔ قرآن سراپا نصیحت ہے اور یہ نصیحت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے جو ہم سب کے احوال سے واقف ہے اور ہماری ضروریات اور حاجات کو ہم سے زیادہ جانتا ہے۔ لہٰذا اس کے ماننے اور اس پر عمل کرنے میں سراسر خیر ہے اور یہ باعثِ نجات ہے۔ اس پر جنت اور اس کی لازوال اور بے مثال نعمتوں کا وعدہ ہے۔ جو لوگ رب تعالیٰ کی اس نصیحت پر عمل نہیں کرتے اور اس کی نافرمانی کرتے ہیں ان کے لیے جہنم اور اس کے خوف ناک عذاب کی وعید ہے۔

دوسری خوبی: قرآنِ پاک سینوں کے لیے شفاء ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے ذریعے دل کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے اور جو شخص اس کی ہدایات پر عمل کرتا ہے اس کا دل روحانی بیماریوں سے شفایاب ہو جاتا ہے۔ حسد، کینہ، تکبر و بڑائی، بخل و کنجوسی، خود پسندی اور دُنیا کی محبت اور وہ سب امور جو انسان کے دل کو تباہ کرنے والے ہیں، قرآن مجید میں ان سب کا علاج ہے۔ اگر اس علاج کو اختیار کیا جائے تو یقیناً شفاء حاصل ہوتی ہے۔

تیسری خوبی: قرآنِ پاک مؤمنین کے لیے ہدایت اور رحمت کا باعث ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآنِ پاک کی ہدایت اور رحمت تو مؤمن اور کافر سب کے لیے ہے لیکن چوں کہ اہلِ ایمان ہی اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور اسے اپنے لیے ذریعۂ ہدایت و رحمت بنا لیتے ہیں، اس لیے خاص طور پر ان کے لیے ہدایت و رحمت ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔

جب آپ نے قرآنِ پاک کی ان خوبیوں کو جان لیا اور اس کی عظمتوں اور رفعتوں کو مان لیا تو اب اس کو پڑھنے، سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ قرآنِ پاک کے الفاظ بہت مبارک ہیں۔ اس کی تلاوت کرنے والے کے لیے بے حد اجر و ثواب ہے اور کلام اللہ کی یہ عجب شان ہے کہ اس کے پڑھنے سے کبھی سیری نہیں ہوتی۔ برسوں پڑھتے رہو کبھی پرانا نہیں ہوتا، جتنی مرتبہ اس کو پڑھو، نئی چیز معلوم ہوتی ہے۔

نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف کو سیکھے اور سکھائے۔''

(بخاری، کتاب فضائل القرآن:5027)

نبی آخر الزماں، احمد مجتبیٰ، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے والد ماجد کا نام نامی عبداللہ تھا جو عبدالمطلب کے صاحبزادے تھے۔ آپؐ کے خاندان کا نام قریش ہے جو عرب کے تمام خاندانوں میں پشت ہا پشت سے معزز اور ممتاز مانا جاتا تھا۔ قریش خاندان کے کئی افراد بے حد معزز اور معتبر مانے گئے، ان میں قصیٰ بن کلاب خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ وہ خانہ کعبہ کے متولی اور حاکم تھے۔ ان کے زیرِ اہتمام مکہ میں حاجیوں کو کھانا مفت تقسیم کیا جاتا تھا۔ انھوں نے چرمی حوض تعمیر کروائے جن میں حج کے دنوں میں حاجیوں کے لیے پانی بھر دیا جاتا تھا۔ قریش کے اندر شادی بیاہ کی کوئی تقریب ہو یا جنگ کا کوئی قصہ، کلاب کے مشورہ کے بغیر طے نہیں پاتا تھا۔

۱۲ ربیع الاول، پیر کے دن بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کی وہ مبارک صبح تھی جب رحمتِ الٰہی کے فیصلے کے مطابق اس باسعادت ہستی کی پیدائش ہوئی، جس کے وجود سے سارے عالم کے اندھیروں کو دور ہونا تھا اور انسانیت کو وہ نورِ ہدایت ملنا تھا جو قیامت تک اس زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے حق میں مالکِ کائنات کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ والد ماجد کا انتقال تو پہلے ہی ہو چکا تھا، دادا عبدالمطلب نے آپؐ کا نام نامی محمد (ﷺ) رکھا جس کے معنی ہیں، ہر لحاظ سے قابلِ تعریف، وہ جسے سب پسند کریں، جسے سب اچھا کہیں۔

قریش کے لوگوں نے ولادت کے ساتویں دن دعوت سے فراغت کے بعد پوچھا۔

”عبدالمطلب، کیا بات ہے، آپ نے اپنے پوتے کا خاندانی نام رکھنے کے بجائے اس کا نام محمد رکھا۔“

اس پر انہوں نے جواب دیا۔

”میں نے چاہا کہ آسمان پر بھی اس کی تعریف ہو اور زمین پر بھی۔ خالق کو بھی وہ پیارا ہو اور خلقت کو بھی۔“

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جس دور میں پیدا ہوئے، مکہ بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا تھا۔ خود خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے جہاں ان کی پوجا ہوتی تھی۔ آپؐ کے خاندان یعنی قریش کے افراد ہی خانہ کعبہ کے متولی ہوا کرتے تھے لیکن آپؐ نے کبھی بتوں کے آگے سر نہ جھکایا اور نہ کبھی وہاں کی مشرکانہ رسموں میں حصہ لیا۔

بچپن کا زمانہ کھیل تماشے کا ہوتا ہے لیکن آپؐ کھیل تماشوں سے کوسوں دور رہے۔ بے کار اور فضول باتوں میں کبھی دل چسپی نہ لیتے تھے۔ ہمیشہ حق کی دھن میں رہتے۔ اس فکر میں ہوتے کہ کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جس میں کوئی رہنمائی ہو، کوئی ایسا نشان

نظر آجائے جس سے حقیقت کا سراغ لگتا ہو۔
بارہ سال کی عمر میں چچا ابو طالب کے ہمراہ ایک تجارتی سفر پر شام گئے۔ ملک شام میں ایک عیسائی راہب بحیرہ نے آپؐ کو دیکھا اور ابو طالب کو آگاہ کیا کہ یہ بچہ آئندہ مبعوث ہونے والا نبی ہے۔ اس کے اندر وہ نشانیاں ہیں جو نبی آخر الزماں ﷺ کے متعلق تورات اور انجیل میں تحریر ہیں۔ بحیرہ نے ابو طالب کو ہدایت کی کہ اس بچے کو یہودیوں کے علاقے میں لے کر نہ جائیں کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ اسے کوئی گزند پہنچا دیں۔ ابو طالب، بحیرہ کی یہ باتیں سن کر جلد ہی مکہ مکرمہ واپس لوٹ آئے۔
پندرہ برس کی عمر میں آپؐ نے قریش اور ہوازن کے درمیان ہونے والی ایک جنگ میں حصہ لیا۔ اس جنگ کو 'حرب فجار' کہتے ہیں جو عکاظ کے ایک میلے میں دونوں قبیلوں کے افراد کے معمولی جھگڑے سے بڑھتے بڑھتے ایک جنگ کی شکل اختیار کر گئی تھی۔
چچا ابو طالب کے ساتھ آپؐ نے تجارت شروع کی اور جلد ہی اپنی دیانت اور صداقت کے باعث عوام میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ قبیلہ بنو اسد کی ایک معزز اور مالدار خاتون بی بی خدیجہ بن خویلد آپؐ کی امانت داری اور ایمان داری سے اس حد تک متاثر ہوئیں کہ اپنے کاروباری امور آپؐ کے حوالے کر دیے۔ آپؐ کے ذریعے بی بی خدیجہؓ کو کاروبار میں خاصا منافع ہوا۔ آپؐ کی خوش اخلاقی، پاکیزگی اور دیانت داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے بی بی خدیجہؓ نے آپؐ کی خدمت میں عقد کا پیغام بھیجا جسے آپؐ نے قبول کر لیا۔ یوں آپؐ کا 25 سال کی عمر میں بی بی خدیجہؓ سے نکاح ہو گیا۔
ابن ہشام اور ابن اسحاق کی روایت کے مطابق جب آپؐ کی عمر 35 سال تھی تو قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی اور حجر اسود کی تنصیب کے حوالے سے سرداران قریش کے جھگڑے کے دوران آپؐ نے انتہائی بردباری، فہم و فراست اور مناسب حکمت عملی کے باعث اسے طے کرا لیا گیا۔
انہی ایام میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دل میں قربت الٰہی اور خلوت گزینی کا شوق حد سے بڑھا۔ آپؐ گھر سے کھانے پینے کا سامان لے کر مکہ سے 3 میل کے فاصلے پر کوہ حرا (جسے آج کل جبل نور کہتے ہیں) کے ایک غار میں چلے جاتے اور اس وقت تک مصروف عبادت رہتے جب تک آپ ﷺ کے پاس کھانے پینے کا سامان ختم نہ ہو جاتا۔
آپؐ پر پہلی وحی کا نزول 40 سال کی عمر میں ہوا۔ آپؐ بدستور غار حرا میں جاتے رہے۔ یہ عرصہ کم سے کم چھ ماہ کا رہا۔ اس درمیانی عرصے میں یہ فائدہ ہوا کہ جو اثرات بتقاضائے بشریت آپؐ کے قلب اطہر پر پیدا ہو گئے تھے، وہ دور ہو گئے اور آپؐ کا قلب مبارک پھر وحی کے نزول کا مشتاق ہو گیا۔ یہاں تک کہ جب یہ عرصہ دراز ہو گیا تو آپ ﷺ کے سکون اور اطمینان کے لیے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام تشریف لاتے رہے اور آپؐ کو اطمینان دلاتے رہے۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل کی آمد وقفے وقفے سے جاری رہی۔
جب آپؐ پر سورۃ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں آپؐ کو دعوت حق کے لیے کمربستہ ہونے کا حکم تھا، اس کے بعد سے آپؐ نے لوگوں کو شرک سے باز رہنے اور رب واحد کی طرف پکارنے کا آغاز کر دیا۔ یہیں سے آپؐ کی اصل آزمائش شروع ہو گئی۔ آپؐ نے اپنی تمام تر توجہ دعوت حق اور تبلیغ اسلام کی طرف کر دی۔
حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات آفاقی ہیں۔ آپؐ نے دین اسلام کے ذریعے جو تعلیمات لوگوں تک پہنچائیں وہ زندگی کے ہر شعبہ میں روز قیامت تک ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ اور سرچشمہ ہیں۔ زندگی کا وہ کون سا گوشہ ہے جس کے بارے میں آپؐ نے اپنی مقدس زندگی اور اخلاق حسنہ سے عملی نمونہ پیش نہ کیا ہو۔
آپؐ کی تعلیمات دوسرے انبیائے کرام علیہ الصلوٰۃ تسلیمات سے منفرد اس لیے ہیں کہ دیگر انبیائے کرام اور صالحین جو تعلیمات لے کر آئے وہ ایک خاص مدت اور ماحول کے لیے تھیں جبکہ آپؐ کو یہ اعزاز و امتیاز حاصل ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے آپؐ کو امام الانبیاء اور خاتم المرسلین کا اعزاز بخشا اور یوں آپؐ کی دی ہوئی تعلیمات ابدی ہیں اور رہتی دنیا تک کے لیے رشد و ہدایت کا ذریعہ ہیں۔ آپؐ کی تعلیمات کا اصل ماخذ قرآن مجید فرقان حمید ہے جس کی روشنی دائمی ہے اور اسی روشنی کو آپؐ کی ذات نے ہمارے لیے پھیلایا تاکہ عاصی اور گناہ گار بندے آپؐ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ایک خدا کے ماننے والے بن جائیں اور اپنی دنیا و آخرت کو سنوار لیں۔
اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سیدھے راستے پر چلائے اور بھٹکے ہوئے لوگوں کی راہ سے بچا لے۔ آمین!
......☆......

"زین! ٹھہر جاؤ، میں تمہیں بتاتی ہوں۔"

اچانک چھوٹی بھابھی کی آواز نے ان کی سوچوں کو منتشر کر دیا۔

"کتنی بار سمجھایا ہے، دیواریں گندی مت کیا کرو۔" زین کی امی نے اس کے ہاتھ سے کلر پنسل لیتے ہوئے اسے زور کی ایک چپت لگائی۔

زین کی امی تو پنسل لے کر اندر چلی گئیں لیکن زین میاں نے اسی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر رونا شروع کر دیا جس پر وہ نقش و نگار بنا رہا تھا۔ زین کی آواز سن کر وہ اس کے پاس آ گئے۔ زین ارشد صاحب کا سب سے چھوٹا بھتیجا تھا اور گھر کے سب بڑے زین سے بہت پیار کرتے تھے۔ پس لاڈ پیار کی وجہ سے بہت شرارتی ہو گیا تھا۔

"زین میاں کیوں رو رہے ہو؟" وہ پیار سے اس کے گال تھپکنے لگے۔ "مجھے امی نے مارا ہے۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"میں دیوار پہ ہمالیہ بنا رہا تھا۔" اس نے دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ دیوار پر جگہ جگہ کارٹون بنے تھے۔ کہیں پہ آڑی ترچھی لکیریں کھینچی ہوئی تھیں تو کہیں پہ طرح طرح کے جانور بنے ہوئے تھے۔

"دیواریں گندی کرنا تو گندی بات ہے ناں، زین میاں!"

یہ بات سن کر زین کے رونے میں کمی آ گئی تھی لیکن وہ ابھی بھی منہ بسورے بیٹھا تھا۔

"چلو زین میاں!" آج میں آپ کو ایک سپاہی کی سچی کہانی سناتا ہوں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سپاہی کی کہانی؟"

"بالکل! سپاہی کی کہانی۔"

"لیکن اس سے پہلے آپ اپنا منہ ہاتھ دھو کر آؤ۔" کہانی سننے کے بہانے وہ فوراً منہ ہاتھ دھو آیا۔

ارشد صاحب اسے اپنے کمرے میں لے آئے اور لائٹ جلا کر اسے پلنگ پر بٹھا دیا۔

"چاچو! اب سنائیں بھی ناں!" زین نے بے تابی سے کہا۔

"سناتے ہیں..... لڑکے بڑے جلد باز ہو۔" وہ اس کے ساتھ ہی پلنگ پر بیٹھ گئے۔

"تو زین میاں! یہ پاکستان بننے سے پہلے کی بات ہے۔

ایک رات ایک انگریز افسر چند سپاہیوں کے ساتھ ایک پولیس چوکی کا دورہ کرنے آیا۔ وہ سب گھوڑوں پر سوار تھے اور ہر ایک نے کندھے پر بندوق لٹکا رکھی تھی۔ گھوڑے آہستہ رفتار سے آگے بڑھ رہے تھے۔ سپاہیوں نے ایک ہاتھ میں لالٹینیں پکڑ رکھی تھیں کیوں کہ اندھیری رات میں کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔

جب وہ سپاہیوں کے کواڑوں کے پاس سے گزر رہے تھے تو انگریز افسر کو ایک چمکتی ہوئی چیز نظر آئی۔

"وٹ از دِس؟ (یہ کیا ہے؟)" یہ کہتا ہوا وہ اپنے گھوڑے

سے کود پڑا۔ اس کے ساتھ ہی سپاہیوں نے ایک ساتھ چھلانگ لگا دی۔ ان کے بھاری بوٹوں سے زمین میں تھرتھراہٹ پیدا ہوگئی۔

اب وہ آہستہ آہستہ اس چمکتی ہوئی چیز کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تو زین میاں! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی تو وہ بھی سونے کی چیز نہیں تھی بلکہ جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچے تو انہیں پتا چلا کہ وہ تو صرف ایک تالا ہے۔

''یہ اتنا چمک کیوں رہا ہے؟'' یہ کہتے ہوئے انگریز افسر نے لالٹین ایک سپاہی کے ہاتھ سے لے لی۔

وہ ایک پیتل کا تالا تھا جو کہ ایک کمرے کے بوسیدہ دروازے پر لگایا گیا تھا۔ تالے پر لکھے ہوئے حروف مٹ چکے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ تالا بہت ہی پرانا ہے لیکن کسی نے اسے بہت محنت سے صاف کیا ہے۔ تالے کا مشاہدہ کرنے کے بعد اس نے لالٹین کی روشنی کمرے کے دروازے اور دیواروں پر ڈالی۔

لوہے کا دروازہ پرانا ضرور تھا لیکن صاف ستھرا تھا اور دیوار کے ساتھ لگی بیل کی تراش خراش بڑی احتیاط سے کی گئی تھی۔

''اس کمرے میں کون رہائش پذیر ہے؟ صبح تک اس سپاہی کے بارے میں تمام معلومات مجھے روانہ ہونے سے پہلے اکٹھی کر کے دی جائیں۔''

''یس سر۔'' سب سپاہیوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ پھر سب اپنے گھوڑوں پر سوار ہوگئے۔

☆

اگلے ماہ پھر انگریز افسر چوکی کا دورہ کرنے آیا۔ اب وہ سپاہیوں کو نئے حالات کے پیش نظر خصوصی ہدایات دینے آیا تھا۔

صبح سات بجے سب سپاہی ایک میدان میں اکٹھے ہوئے۔ جیسے ہی افسر میدان میں داخل ہوا، سب نے اسے سیلوٹ کیا۔ پھر اس نے ان کو ضروری ہدایات دیں۔ جانے سے پہلے اس نے سب کو تھوڑی دیر کے لیے رُکنے کو کہا۔

''کانسٹیبل احمد دین! پلیز کم آن دی اسٹیج۔''

(کانسٹیبل احمد دین! برائے مہربانی اسٹیج پر آئیں) اس نے باآواز بلند کہا۔ ایک دبلا سا نوجوان سپاہیوں کی قطار سے نکل کر اسٹیج پر آ گیا۔ وہ اس اچانک بلاوے سے ذرا بھی حیران پریشان نظر نہ آتا تھا۔

''آپ سب حیران ہوں گے کہ میں نے کانسٹیبل احمد دین کو کیوں بلایا۔ پچھلی دفعہ میرا گزر ان کے کمرے کے قریب سے ہوا۔ وہاں مجھے ایک چمکتی ہوئی شے نظر آئی جو کہ ایک پرانا تالا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ مسٹر احمد دین نے اسے خوب محنت سے صاف کیا ہے۔ جہاں تک میں کمرے کو دیکھ سکتا تھا۔ مجھے ہر شے صاف ستھری دکھائی دی۔ عموماً حکومت کی طرف سے دیئے گئے گھروں میں رہنے والے ان گھروں پر اتنی محنت نہیں کرتے کہ ریٹائرمنٹ کے بعد یہاں سے چلے جاتے ہیں۔ پس حکومت برطانیہ کانسٹیبل احمد دین کو ان کی اس خوبی کی وجہ سے ''حسن صفائی'' کے انعام سے نوازتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی اس نے کانسٹیبل احمد کے یونی فارم میں ایک اور میڈل کا اضافہ کر دیا۔

کہانی ختم ہوئی تو ارشد صاحب نے مسکرا کر زین کی طرف دیکھا جو کانوں کے ساتھ پورا منہ اور آنکھیں کھولے انہیں دیکھ رہا تھا۔ ''زین میاں! یہ کہانی کسی اور کی نہیں بلکہ آپ کے دادا جان کی ہے۔''

انہوں نے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''سچی؟'' زین نے حیرانگی سے پوچھا۔

''جی بالکل!''

''چاچو! اگر میں بھی صفائی کا خیال رکھوں تو کیا مجھے بھی انعام ملے گا؟''

''بالکل! اگر آپ اپنی، اپنے گھر اور اسکول کی صفائی کا خیال رکھیں گے۔ دیواریں گندی نہیں کریں گے اور کاغذ ادھر اُدھر نہیں پھیلائیں گے تو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا انعام ملے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ چیزوں کو پسند کرتا ہے۔''

''چاچو! میری کتاب میں بھی لکھا ہے، صفائی نصف ایمان ہے۔'' زین نے چاچو کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''واہ بھئی، زین میاں کو تو بہت کچھ پتا ہے لیکن عمل نہیں کرتے ہیں؟'' چاچو نے زین کی طرح منہ بنانے کی کوشش کی۔

''اب میں عمل بھی کروں گا۔'' زین نے بستر سے اترتے ہوئے کہا۔

''ان شاء اللہ!'' ارشد صاحب کے منہ سے بے ساختہ آواز نکلی۔ زین تو کب کا چلا گیا لیکن ارشد صاحب اپنے کمرے میں لگی والد صاحب کی تصویر کو کافی دیر دیکھتے رہے۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ مسکرا رہے ہوں۔

☆☆☆

نیا سال آیا

ہر اک فرد خوش ہے ہر اک دل ہے شاداں
چمن میں ہر اک سُو بہاریں ہیں رقصاں
نہیں بھول سکتے خدا کا یہ احساں
کہ جس نے ہمیں آج یہ دن دکھایا
مبارک ہو بچو! نیا سال آیا

نئے سال کی آج خوشیاں مناؤ
کدورت، عداوت کو اب بھول جاؤ
محبت کرو، خوش رہو، مسکراؤ
سبھی نے یہ میٹھے سروں میں ہے گایا
مبارک ہو بچو! نیا سال آیا

اُجالا ہے، تنویر ہے، روشنی ہے
ہر اک سمت ہر سو خوشی ہی خوشی ہے
ہر اک شے پہ جیسے نئی زندگی ہے
نیا سال خوشیوں کو ہے ساتھ لایا
مبارک ہو بچو! نیا سال آیا

کرو عہد دل سے کہ محنت کرو گے
بڑوں کی دل و جاں سے عزت کرو گے
اور اپنے خدا کی عبادت کرو گے
کہ ہم سب پہ ہے جس کی رحمت کا سایا
مبارک ہو بچو! نیا سال آیا

(حامد احسن)

پیارے اللہ کے پیارے نام

راشد علی نواب شاہی

اَلْبَدِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ
(بغیر کسی نمونے کے چیزوں کو پیدا کرنے والا)

اَلْوَارِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ ساری مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہیں گے اور تمام چیزوں کے مالک بھی وہی رہیں گے۔ جسے چاہیں اسے چیزوں کا مالک بنا دیں۔

اللہ تعالیٰ کا ایک نام اَلْوَارِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہے۔ اس لیے کہ دُنیا کا جتنا مال ہے، اس کے مالک ایک دن سب ختم ہو جائیں گے تو آخر میں ایک اللہ تعالیٰ ہی اس سب مال کے مالک اور وارث ہوں گے، بلکہ ساری دُنیا کے بادشاہوں کی بادشاہت کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں۔ جو بادشاہ اپنے آپ کو کسی ملک کا بادشاہ کہتے ہیں اور اس پر بڑا غرور کرتے ہیں، یہ سب بادشاہ اپنی بادشاہت سمیت فنا اور ختم ہو جائیں گے۔ جب ہر چیز ختم ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ پوچھیں گے۔ ''کس کی بادشاہی ہے آج؟'' لیکن کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا، ہر طرف خاموشی ہوگی، پھر وہ خود ہی فرمائیں گے کہ ''صرف اللہ کی جو واحد و قہار ہے۔''

بنجر زمین

سعید اور ارشد دونوں گرمی کی چھٹیاں منانے گاؤں آئے ہوئے تھے۔ دونوں شام کے وقت اپنے چچا کے بیٹے احسان کے ساتھ کھیلنے اور کبھی سیر و تفریح کرنے نکل جاتے۔ آج انہوں نے نہر کی طرف گھومنے کا پروگرام بنایا۔ اس گاؤں کا نام ''اللہ آباد'' تھا۔ گاؤں سے بیس منٹ کے فاصلے پر ایک نہر بہہ رہی تھی۔ باتیں کرتے کرتے تینوں دوست نہر تک پہنچ چکے تھے۔ چاروں طرف سرسبز و شاداب لہلہاتی خوب صورت کھیتیاں تھیں۔

''ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ سبزے کو دیکھنا آنکھوں کے لیے مفید ہے۔'' ارشد نے کہا۔

''احسان! تم لوگ بہت خوش قسمت ہو کہ ہریالی ہی میں رہتے ہو، ہم لوگ تو شہروں میں کھیتوں اور باغات کو دیکھنے کے لیے ترس جاتے ہیں۔'' سعید نے کہا۔

''آؤ دوست! نہر کے اس پار چلتے ہیں۔'' سعید نے کہا تو تینوں ایک پل سے نہر پار کرنے لگے۔ نہر کے دوسری طرف بھی سرسبز کھیتیاں ہی کھیتیاں تھیں۔ نہر کے ساتھ بنے ہوئے ایک چھوٹے سے نالے کے کنارے کے ساتھ مینڈک کے ''ٹرٹر'' کرنے کی آواز وقفے وقفے سے گونج رہی تھی۔

''ارے! اتنی ساری سرسبز کھیتیوں کے درمیان یہ زمین بنجر کیوں ہے؟'' ارشد نے حیرت سے پوچھا۔

''اس زمین پر تو لگ رہا ہے کہ برسوں سے کوئی کھیتی نہیں اُگی۔'' سعید نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''سرسبز زمین کے درمیان یہ بنجر زمین بہت بدصورت لگ رہی

ہے اور اس سارے منظر کو ایک گرہن لگا رہی ہے جیسے چاند کو گرہن لگ جاتا ہے۔'' احسان نے کہا۔

''میں بتاتی ہوں میں بنجر کیوں ہوں۔'' بنجر زمین سے آواز آنے پر وہ تینوں حیرت زدہ ہو گئے۔

''ڈرنے کی ضرورت نہیں، میں تمہاری حیرت دُور کیے دیتی ہوں۔ میری کہانی بڑی عبرت ناک ہے۔ تم سن لو اور لوگوں کو جا جا کر سناؤ۔'' پھر وہ تینوں بنجر زمین کی کہانی بہت حیرت سے سننے لگے۔

''میرے مالک کا انتقال ہو گیا، اس کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ اس کے انتقال کے بعد میری زمین میں دو بیٹے اور ایک بیٹی بھی حصہ دار تھے۔ اس کے انتقال کو دو ماہ ہو گئے تھے۔ مسجد کے عالم صاحب نے دونوں بیٹوں کو بلا کر کہا:

''تمہارے والد میرے اچھے دوست تھے، اس لیے میرا ایک ہمدردانہ مشورہ ہے کہ تم دونوں اس زمین کا اسلامی تعلیم کے مطابق اپنا اپنا حصہ لے لو اور اپنی بہن کو بھی اس کا حصہ دے دو۔''

یہ سنتے ہی بڑا بیٹا ناراض ہو گیا اور کہنے لگا: ''اس کی کیا ضرورت ہے؟ ابھی تو ہمارے والد کا کفن تک میلا نہیں ہوا، ہم تو اس طرح نہیں کرتے۔''

عالم صاحب اس بات پر خاموش ہو گئے، مگر کچھ عرصے بعد بڑے بیٹے کی نیت میں کھوٹ آ گیا جب اس کے چھوٹے بھائی نے مطالبہ کیا کہ اس کی بہن کو حصہ ضرور دیا جائے۔

بڑے بھائی نے ایک سازش کرتے ہوئے چھوٹے بھائی کو ختم کرا دیا تا کہ یہ ساری زمین اسے مل جائے مگر وہ اپنی چال میں بری طرح ناکام ہو گیا۔ والدہ نے یہ سب دیکھ لیا۔ پولیس قتل کے الزام میں بڑے بیٹے کو جیل لے گئی اور چھوٹا بیٹا قبر تک پہنچ گیا۔ ماں اس صدمے کو برداشت نہ کر سکی اور صدمے سے پاگل ہو گئی اور بہن کو بھی بہت صدمہ پہنچا۔ اگر عالم صاحب کا مشورہ مان لیا ہوتا تو مال کی محبت میں اس نوبت تک نہ پہنچتے مگر اس وقت بڑے بیٹے کو یہ یاد آ گیا کہ اب تک باپ کا کفن بھی میلا نہیں ہوا۔

''اے دوستو! ساری دُنیا کے لوگوں کو بتاؤ کہ جس زمین، دُکان، مکان کی وجہ سے قاتل کسی کا خون بہاتا ہے، ایک دن یہ زمین، مکان، دُکان سب اس کے ساتھ بے وفائی کر جائیں گے۔ قاتل کے کسی کام نہ آئیں گے، اللہ تعالیٰ کے سامنے اسے جواب دینا ہو گا۔''

بنجر زمین نے اپنی کہانی ختم کی تو تینوں دوست حیران و پریشان کھڑے تھے۔ مغرب کے وقت وہ ''اللہ اکبر..... اللہ اکبر'' کی آواز پر اپنے گاؤں کی جانب اس عزم سے پلٹے کہ آج ہی بنجر زمین کے اس عبرت ناک واقعے کو ایک کہانی کی صورت میں لکھ کر شائع کریں گے تا کہ ہمارے دوستوں اور ہماری عمر کے لڑکوں کے دلوں میں ابھی سے ہی ان چیزوں کی محبت نہ رہے اور ہم ان چیزوں کے لیے آپس میں گالم گلوچ اور لڑائی تک نہ پہنچیں۔

بہترین وارث

یہ دُعا خود بھی مانگیے اور والدین اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی بتایئے۔ ہماری چیزوں کے مالک تو اللہ تعالیٰ ہیں، اس لیے یہ دُعا مانگ کر اللہ تعالیٰ کو وارث بنایئے۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ

ترجمہ: ''یارب! مجھے اکیلا نہ چھوڑیے اور آپ سب سے بہتر وارث ہیں۔''

یاد رکھنے کی باتیں

1- جو چیزیں ہمارے پاس ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہمیں ملی ہیں۔ اگر ہمارے پاس گاڑی یا کوئی ایسی چیز ہو جو دوسروں کے پاس نہیں ہے تو ہم اپنی گاڑی کے ہوتے ہوئے غرور نہ کریں اور دوسرے غریب مثلاً گدھا گاڑی والے اور موچی کو کم تر نہ سمجھیں۔
2- ہم پکا ارادہ کریں کہ عالم بنیں گے۔ اگر عالم نہ بنیں تو علمائے کرام سے پوچھ پوچھ کر اپنی زندگی گزاریں گے۔
3- یہ پکی نیت کر لیں کہ جائیداد میں جو حصہ بہن کا بنے گا، وہ ہم خوشی سے اور ضرور ادا کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسجد غمامہ

یہ مسجد حرم نبویؐ کے قریب واقع ہے۔ حضور ﷺ یہاں عیدین کی نماز پڑھتے تھے۔ اس مسجد کو مسجد مصلیٰ بھی کہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے وہاں نماز استسقاء بھی پڑھائی تھی اور اسی وقت بادل نمودار ہو کر بارش ہوئی تھی، اسی بناء پر یہ مسجد غمامہ (بادل) کہلاتی ہے۔ مسجد کے سامنے میدان میں حکام کی جانب سے مجرموں کو سزائیں دی جاتی ہیں۔ ☆☆☆

زندگیاں ختم ہوئیں اور قلم ٹوٹ گئے
تیرے اوصاف کا اک باب بھی پورا نہ ہوا

یہ وہ ہستی ہے جس کے بارے میں اگر ہم لکھتے ہیں تو ہماری زندگی ختم ہو جائے گی لیکن ان کا ایک باب بھی پورا نہ ہو گا۔ وہ ذات ہے حضور اکرمؐ کی۔

ولادت باسعادت:

حضور اکرمؐ موسم بہار کی ایک صبح 12 ربیع الاول 22 اپریل 571ء کو پیدا ہوئے۔ آپؐ ایک ایسے پھول کی مانند کھلے جس کی مہک اور خوشبو سے سارے عالم کو معطر ہونا تھا اور آپؐ کی روشنی سے تمام دُنیا کو بقعہ نور بنتا تھا۔

صداقت اور ایمان داری:

نبوت سے پہلے ہی لوگ آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ لوگ اپنی امانتیں آپؐ کے پاس رکھ جاتے تھے حتیٰ کہ کافر بھی اپنی امانتیں آپؐ کے سپرد کر دیتے تھے اور آپؐ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔

عدل و انصاف:

تمام لوگ آپؐ کے نزدیک برابر حیثیت رکھتے تھے۔ آپؐ کے ہاں کالے گورے، امیر غریب، عربی عجمی میں کوئی تمیز نہ تھی۔ آپؐ ہمیشہ عدل و انصاف سے کام لیتے تھے۔ ایک دفعہ چوری کے سلسلہ میں لوگوں نے ایک عورت کی سفارش کی۔ اس پر آپؐ نے ناراض ہوتے ہوئے فرمایا۔ ”خدا کی قسم! اگر فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کٹوا دیتا۔“ عدل و انصاف کے بارے میں آپؐ کے سامنے کسی کو بھی رنگ و نسل یا مذہب کی بنا پر کوئی فوقیت حاصل نہ تھی۔ اسی طرح ایک مسلمان اور یہودی میں جھگڑا ہو گیا۔ آپؐ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو آپؐ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا کیوں کہ وہ حق پر تھا۔

سخاوت:

آپؐ بہت بڑے سخی تھے۔ آپؐ کسی بھی سائل کو محروم نہیں بھیجتے تھے۔ جو کچھ ہوتا عطا کر دیتے۔ آپؐ خود فاقہ کرتے اور سائلوں کو خالی ہاتھ واپس نہ فرماتے۔ آپؐ کے پاس جب کبھی کہیں سے مالِ غنیمت آتا تو آپؐ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتے جب تک مال تقسیم نہ کر دیتے۔ بیواؤں، یتیموں اور مصیبت زدہ لوگوں کے سہارا تھے۔

شجاعت:

رسول اللہ ﷺ بچپن سے ہی بڑے بہادر اور دلیر تھے۔ چھوٹی

عمر میں قوم اور آباء و اجداد کی پرواہ کیے بغیر کھلم کھلا بتوں کی پوجا سے نفرت کا اظہار فرمایا کرتے۔ اپنے چچا کے ساتھ تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے تو وادی میں ایک منہ زور اونٹ ایسا بدکا کہ کسی کے قابو میں نہ آرہا تھا لیکن آنحضورؐ بے خوف ہو کر اسے نکیل سے پکڑ کر لائے۔ غزوات اور جنگوں میں بھی آپؐ نے جس شجاعت، دلیری اور جوانمردی کا مظاہرہ کیا وہ کسی بیان کا محتاج نہیں۔

سادگی:

آپؐ کی زندگی میں سادگی کا جوہر نمایاں نظر آتا تھا۔ آپؐ تمام تکلفات سے بالاتر تھے۔ کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے، کپڑا پہننے اور رہن سہن میں سادگی پسند تھے۔ آپؐ دُنیا کی زیب و زینت کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے۔ جَو کی روٹی کھانا اور زمین پر سونا آپؐ کا پسندیدہ عمل تھا۔ آپؐ اپنے کاموں کو خود اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ آپؐ فرماتے تھے کہ سادگی میرا فخر ہے۔ درحقیقت آپؐ نے بادشاہی میں فقیری کی۔

رحم و کرم:

آپؐ رحمۃ العالمین تھے۔ آپؐ نے ہمیشہ بدلہ لینے کی استطاعت رکھتے ہوئے معاف فرمایا۔ ایک دفعہ آپؐ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ مشرکین کو بددعا دیجیے۔ فرمایا، میں بددعا دینے کے لیے نہیں آیا۔ میں رحمت بن کے آیا ہوں۔ آپؐ کا رحم و کرم سب کے لیے عام تھا۔ آپؐ دوست دشمن سب پر رحم و کرم فرماتے تھے۔ آپؐ نے عمر بھر نہ کسی کو ستایا، نہ دکھ دیا۔ وہ ہندہ جس نے جنگِ اُحد میں آپؐ کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا، جب آپؐ کے سامنے پیش ہوئی تو اس پر رحم فرمایا اور معاف کر دیا۔ ابوسفیان جس نے فوج لے کر مکہ پر چڑھائی کی تھی، اس کو صرف معاف ہی نہیں کیا بلکہ اس کے لیے رحم و کرم کا وسیع دامن پھیلایا۔ ایک غزوہ کے بعد آپؐ کی نظر ایک عورت کی نعش پر پڑی۔ معلوم ہوا خالد بن ولید نے اسے قتل کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ خالد سے جا کر کہو کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت، بچے اور بوڑھے کے قتل سے منع فرمایا ہے۔

مہمان نوازی:

حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ مہمان کی عزت افزائی کرے۔ آپؐ مہمانوں کی خاطر مدارات میں عجیب فرحت محسوس کرتے تھے۔

میانہ روی:

آنحضرت ﷺ کو ہر معاملہ میں میانہ روی پسند تھی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا تمام امور میں میانہ روی بہتر ہے۔ آپؐ کی تمام زندگی میانہ روی کی آئینہ دار ہے۔ آپؐ کھلکھلا کر نہیں ہنستے تھے مگر تبسم آپؐ کے ہونٹوں پر کھلتا رہتا تھا۔ آپؐ بلاضرورت کلام نہیں فرماتے تھے اور یوں بھی نہ تھا کہ کسی جگہ پر ارشاد کی ضرورت ہو اور آپؐ خاموش رہیں۔

صبر و استقامت:

آپؐ صبر و استقامت کے پیکر تھے۔ جتنی مشکلات اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا اس کی انسانی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ آپؐ بڑی آزمائش کے لمحات میں بھی حوصلے کا دامن نہیں چھوڑتے تھے۔ قرآن مجید کی کئی آیات میں حضورؐ کو صبر سے کام لینے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے ان فرمودات کی مطابق ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا اور ہر مشکل کا مقابلہ کیا۔

امن پسندی:

امن پسندی اور صلح جوئی آپؐ کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپؐ زندگی کے ہر مسئلے کو باہمی بات چیت اور صلح جوئی سے طے کرنے کو ترجیح دیا کرتے تھے۔

وصالِ مبارک:

ہجرت کے گیارہویں سال صفر کے مہینے میں آپؐ کو بخار ہوا۔ وفات کے وقت آپؐ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔ آپؐ کو حضرت عائشہؓ کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ اب اسے ہی روضۂ رسولؐ کہتے ہیں۔

لنگر (Anchor)

جہازوں کو پانی میں اپنی جگہ قائم رکھنے والا آلہ ہے۔ یہ ایک بہت بھاری آہنی (لوہے) کا آنکڑا ہوتا ہے جو ایک لوہے کی وزنی زنجیر کے سرے پر بندھا ہوتا ہے اور جس کا دوسرا سرا جہاز سے ملحق ہوتا ہے۔ اس آنکڑے کو پانی میں پھینک دیتے ہیں تو یہ سمندر کی تہہ میں پیوست ہو جاتا ہے اور جب تک اس کو سمندر سے اُٹھا کر جہاز میں نہ رکھ لیا جائے جہاز حرکت نہیں کر سکتا۔ ☆☆☆

ایک صاحب کے گھر رات کے تین بجے دروازے کی گھنٹی بجی۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے دروازے پر پہنچے تو دیکھا ان کا پڑوسی کھڑا ہے۔ وہ انہیں دیکھتے ہی بولا: ''معذرت چاہتا ہوں بشیر صاحب! بس یہی دیکھنا تھا کہ آپ کے گھر بجلی ہے یا نہیں۔'' (نسیم زہرہ، ملتان)

اُستاد (شاگرد سے): ''تم کس بناء پر کہہ رہے ہو کہ گھاس کھانے سے آنکھیں خراب نہیں ہوتیں۔''
شاگرد: ''جناب میں نے کسی جانور کو عینک لگاتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔''

☆

والد: ''اسلم! یہ ننھے کے منہ میں کپڑا تم نے ٹھونسا ہے؟''
اسلم: ''ہاں، ابا جان! آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ جا کر ننھے کو چپ کرا دو۔''
(وقار صادق، راول پنڈی)

باپ (بیٹے سے): ''بتاؤ مہمان خانہ کسے کہتے ہیں؟''
بیٹا: ''مہمانوں کے رہنے کی جگہ۔''
باپ: ''شاباش! اور دیوان خانہ؟''
بیٹا: ''دیوانوں کے رہنے کی جگہ۔'' (ملائکہ اشتاق، کراچی)

سپاہی (ڈرائیور سے): ''جب میں نے تمہیں اشارہ کیا تو تم رُکے کیوں نہیں؟''
ڈرائیور: ''جناب! میں سمجھا کہ آپ مجھے سلام کر رہے ہیں۔''
(نزاکت رحیم، لاہور)

ایک شخص ڈاکٹر کے کلینک میں داخل ہوا اور مسکراتے ہوئے بولا: ''ڈاکٹر صاحب! آپ کے علاج سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔''
ڈاکٹر نے حیرت سے کہا: ''معاف کیجیے گا میں نے آپ کا علاج کبھی نہیں کیا۔''
شخص بولا: ''ہاں! مگر آپ نے میرے چچا کا علاج کیا تھا اب میں ان کی جائیداد کا اکلوتا وارث ہوں۔'' (محمد ریحان اشفاق، فیصل آباد)

طفیل: ''سنا ہے کلاس میں تمہاری نہلی پوزیشن آئی ہے۔''
راشد: ''ہاں بھئی محنت جو کی تھی، تم سناؤ! تمہاری کیا پوزیشن آئی ہے؟''
طفیل: ''کیا بتاؤں یار! میرے تو نام کا پہلا حرف ہی اُڑ گیا ہے۔''
(کشف جاوید، فیصل آباد)

اُستاد (شاگرد سے): ''سیب کس لفظ سے آتا ہے۔ س سے یا ش سے۔''
شاگرد (اُستاد سے): ''سیب نہ س سے آتا ہے اور نہ ہی ش سے، سیب پیڑوں سے آتا ہے۔'' (عبداللہ تنویر، لاہور)

جج: ''تم نے اس ڈاکٹر کی گھڑی کیوں چرائی جس نے تمہیں مفت دوا دی تھی۔''
ملزم: ''جناب! ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا کہ دوا چار گھنٹے بعد پینا اور میرے پاس گھڑی نہیں تھی۔'' (شعوبی رانا، ساہی وال)

مجسٹریٹ: ''تم نے جرم بڑی ہوشیاری اور صفائی سے کیا۔''
ملزم: ''شکریہ جناب! آپ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے میرے ہنر کی تعریف کی۔'' (عمران ندیم، گجرات)

رشید (حمید سے): ''آج حلوہ پکا ہے۔''
حمید: ''تو پھر مجھے کیا؟''
رشید: ''تمہارے لیے پکا ہے۔''
حمید: ''تو پھر تجھے کیا؟'' (حنا مشتاق، گجرات)

مجسٹریٹ: ''پانچ گواہوں نے تمہیں چوری کرتے دیکھا ہے، اس لیے تمہیں ایک سال کی سزا دی جاتی ہے۔''
ملزم: ''جناب! میں ایسے ہزاروں گواہ پیش کر سکتا ہوں جنہوں نے مجھے چوری کرتے نہیں دیکھا۔'' (عدیل حسن، لاہور)

نوجوان: ''آپ نے کن کن ملکوں کا سفر کیا؟''
بوڑھا آدمی: ''امریکہ، ایران، افغانستان، پاکستان اور ہندوستان۔''
نوجوان: ''اب کس ملک میں جانے کا ارادہ ہے؟''
بوڑھا آدمی: ''قبرستان۔'' (بینش آفاق، کراچی)

پولیس انسپکٹر: ''تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہاں جوا کھیلا جاتا ہے؟''
شخص: ''جی! میں خود یہاں کئی بار کھیل چکا ہوں اور آج تو انہوں نے میرے ہزار روپے جیت لیے ہیں۔'' (عبدالمقیت، فیصل آباد)

☆☆☆

کیا آپ جانتے ہیں؟

وہ خوف زدہ ہو تو بے ہوش ہو جاتا ہے

بعض جانور دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ بعض دُم دبا کر بھاگ جاتے ہیں لیکن جنوبی امریکا کا ایک چھوٹا سا جانور اپاسم (Opossum) عجیب و غریب حرکت کرتا ہے۔ جب کوئی جانور اس پر حملہ کرنے تو وہ ایک دم بے ہوش ہو جاتا ہے۔ بعض گوشت خور جانور مردار نہیں کھاتے۔ وہ اسے مردہ سمجھ کر چلے جاتے ہیں۔

بیں، پچیس منٹ بعد اسے ہوش آتا ہے تو وہ انکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھتا ہے اور جب یقین ہو جاتا ہے کہ خطرہ ٹل گیا ہے تو دوڑ کر درخت پر چڑھ جاتا ہے۔

اپاسم ایک دودھ پلانے والا (میمل) جانور ہے۔ جسم بلی کے برابر اور دُم چوہے جیسی ہوتی ہے۔ اس کی مادہ سال میں دو دفعہ بچے دیتی ہے اور ہر جھول میں اٹھارہ بچے ہوتے ہیں۔ مادہ کے پیٹ میں کینگرو کی طرح تھیلی ہوتی ہے۔ بچے سو دن تک اسی تھیلی میں رہتے ہیں۔

دس سیر کی "سیھی" ڈھائی من کے شیر کو ہلاک کر سکتی ہے!

سیھی ایک دودھ پلانے والا (میمل) جانور ہے۔ اسے ساہی، سیہ اور خار پشت بھی کہتے ہیں۔ اس کے جسم پر لمبے، نوکیلے، کانٹے ہوتے ہیں جنہیں وہ خطرے کے وقت کھڑے کر لیتا ہے۔ یہ خاردار جانور بلّے سے زیادہ بڑا نہیں ہوتا، لیکن اس سے جنگل کے تمام درندے ڈرتے ہیں۔

عام شیر، بھیڑیے، ریچھ اور دوسرے درندے سیھی کے قریب نہیں جاتے لیکن بعض وقت کوئی بھوکا شیر اس پر حملہ کر دیتا ہے۔ اس وقت سیھی فوراً اپنے کانٹے کھڑے کر لیتی ہے۔ جب شیر اس کی پیٹھ پر منہ مارتا ہے تو اس کی زبان اور حلق میں کانٹے چبھ جاتے ہیں اور اس کا منہ زخمی ہو جاتا ہے۔ ان زخموں کی وجہ سے وہ کھا پی نہیں سکتا اور چند روز میں بھوکا پیاسا مر جاتا ہے۔

صرف ایک جانور ایسا ہے جو سیھی کے اس خطرناک ہتھیار کو ناکام بنا دیتا ہے۔ اس جانور کا نام "فشر" (Fisher) ہے۔ یہ نیولے سے کچھ ہی بڑا ہوتا ہے۔ یہ سیھی کی پیٹھ پر منہ مارنے کی بجائے اسے ایک دم چت کر دیتا ہے اور پھر پنجوں سے اس کا پیٹ پھاڑ دیتا ہے۔

سیھی بنجر زمینوں اور خاردار جھاڑیوں میں بل بنا کر رہتی ہے۔ اس کے دانت اتنے تیز اور مضبوط ہوتے ہیں کہ شیشے تک کو کتر سکتی ہے۔ درختوں کی چھال اور پتے اس کی محبوب غذا ہے۔ ☆☆☆

غلام حسین میمن

ہمارے ہیرو
حضرت خالد بن ولیدؓ

نبی کریمؐ کو مکے سے ہجرت کیے یہ تیسرا سال تھا۔ آپؐ نے مکے کے کافروں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر، اللہ کے حکم سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ یثرب کی جانب ہجرت کی۔ یثرب سے کچھ پہلے پہنچ کر قبا کے مقام پر سب سے پہلی مسجد بنائی اور یثرب کو اپنے لیے پسند فرمایا۔ اس شہر کو آج ہم مدینۃ النبیؐ (نبی ﷺ کا شہر) کہتے ہیں۔ یہاں مسجد نبویؐ اور نبی کریم ﷺ کا روضہ مبارک بھی ہے۔ اسی مسجد کے احاطے میں دُنیا کا سب سے بڑا اور قابلِ احترام قبرستان ''جنت البقیع'' بھی موجود ہے۔

اس سے پہلے ہجرت کے دوسرے سال کافروں سے بدر کے مقام پر ایک جنگ ہو چکی تھی جس میں فتح مسلمانوں کا مقدر بنی۔ اس سال یعنی تین ہجری میں کافروں کے ساتھ اب ایک اور معرکہ ہونے والا تھا۔ یہ معرکہ اُحد کے پہاڑ کے پاس مدینہ میں ہوا۔ اس جنگ میں نبی کریم ﷺ نے جبلِ اُحد کو پیچھے کی جانب رکھ کر صف آرائی کی تھی۔ اس پہاڑ کے پاس ایک درّہ تھا، جسے عبور کر کے دشمن مسلمانوں کے پیچھے سے حملہ کر سکتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے خطرے کے پیشِ نظر حضرت عبداللہؓ بن جبیر کو پچاس تیراندازوں کے ساتھ وہاں پہرے پر بٹھایا تھا اور تاکید فرمائی کہ لڑائی کا چاہے کچھ بھی انجام ہو، تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔

اس جنگ میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ جنگ کے دوران ہی مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہیں شکست ہوئی۔ اسی دوران مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ انہیں دیکھ کر تیراندازوں نے نبی کریم ﷺ کی نصیحت بھلا دی اور وہ بھی پیچھے آکر اس کام میں مشغول ہو گئے۔

کافروں کے تمام بہادروں نے میدانِ جنگ چھوڑ دیا تھا مگر خالد بن ولید، جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے اور کافروں کے اس لشکر کے نامور سپہ سالار تھے، انہوں نے جبلِ اُحد کے اس درّے کو غیر محفوظ پا کر ایک چکر کاٹا اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ چوں کہ مسلمانوں کی توقع کے بالکل خلاف تھا، اس لیے ان کی صفوں میں افراتفری مچ گئی، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس بھی خطروں میں گھر گئی لیکن مسلمان فوراً ہی سنبھل گئے اور انہوں نے کفار کے لشکر کو بھگا دیا۔ اس جنگ میں نبی کریم ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے۔

خالدؓ بن ولید کا پورا نام ابو سلیمان خالد بن ولید المخزومی تھا۔ ان کا سلسلۂ نسب نبی کریم ﷺ کی ساتویں پشت میں جا کر ایک

شخص مردہ سے ملتا تھا۔ آپ کی والدہ لبابہ صغریٰ، ام المومنین میمونہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ اس طرح نبی کریم ﷺ، حضرت خالدؓ بن ولید کے حقیقی خالو تھے۔ خاندانِ نبوت سے آپ کا یہ دوسرا قریبی تعلق تھا۔

حضرت خالدؓ کے والد الولید مکہ کے انتہائی مالدار اور بااثر شخص تھے۔ مکے سے طائف تک آپ کے باغات پھیلے ہوئے تھے۔ حضرت خالدؓ اپنے والد کی طرح اسلام لانے سے قبل، اسلام کے شدید مخالف تھے۔ وہ مسلمانوں کے خلاف زبانی ہی نہیں بلکہ عملی کارروائیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں نے جو نقصان اُٹھایا اس کی بڑی وجہ حضرت خالدؓ بن ولید کی جنگی حکمتِ عملی ہی تھی۔

مکہ میں قیام کے دوران ہی حضرت خالدؓ کے دل میں اسلام سے محبت کی ابتداء ہوگئی تھی۔ ایک بار انہوں نے کہا تھا کہ ایک دفعہ رسولِ خدا کو نماز پڑھتے دیکھ کر میں نے کوشش کی کہ انہیں اور ان کے اصحاب کو نقصان پہنچاؤں، مگر مجھے کامیابی نہ ہوسکی۔ اس وقت میرے دل میں الہام ہوا کہ اللہ ان کا نگہبان ہے اور ہم چاہتے ہوئے بھی انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

حضرت خالدؓ کے بھائی پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے پاس مدینے میں ہی رہائش اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے کہنے پر اپنے بھائی خالدؓ کو خط لکھا اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

حضرت خالدؓ خود فرماتے ہیں کہ ''اس خط نے گویا میرے دل میں آگ برسا کر رکھ دی۔ بھائی کا خط دیکھتے ہی میری حالت ایسی ہوگئی جیسے پھوس (خشک گھاس/ سوکھے پتے) میں کسی نے آگ لگا دی ہو۔ میری زبان پر بے اختیار کلمہ توحید جاری ہوگیا اور جی چاہا کہ پَر لگا کر اُڑوں اور جا کر نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو جاؤں اور اپنا سب کچھ آپؐ پر قربان کر دوں۔'' اور پھر ایسا ہی ہوا۔ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں جا کر قبولیت اسلام کا اعلان کیا۔

ان کے اسلام لانے کے بعد ان کے دورِ جاہلیت کے ساتھیوں میں بڑی بے چینی پھیلی مگر انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی۔ قبولِ اسلام کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے جس جنگ میں حصہ لیا، وہ غزوہ موتہ تھا۔

موتہ سرزمینِ شام کا ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ جب یہ لشکر موتہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ سامنے لشکر ایک لاکھ کی تعداد میں ہے۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں میں تشویش ہوئی، چناں چہ اس موقع پر حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''مسلمانوں کو کبھی بھی لشکر کی کثرت نے فتح مند نہیں کیا۔ بدر کی لڑائی میں ہم بہت کم تھے اور دشمن زیادہ۔ ہم کو اللہ ہی نے فتح دلائی۔ اب یا تو ہمیں فتح ہوگی یا پھر ہم شہید ہوں گے۔''

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کے ان الفاظ کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اپنی صفیں درست کرنا شروع کر دیں۔ حضرت زیدؓ بن حارث مسلمانوں کے لشکر کی قیادت کر رہے تھے۔ جنگ کے دوران وہ شہید ہو گئے۔ مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ کے حکم کے مطابق اب قیادت حضرت جعفرؓ بن ابو طالب کے سپرد کی۔ وہ کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے تو اب حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو لشکر کا امیر مقرر کیا گیا۔ وہ بھی کفار کا مقابلہ کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کے ان بڑے سپہ سالاروں کے شہید ہو جانے سے کفار کی ہمت بڑھ گئی۔ تب ایک صحابی ثابتؓ بن اکرم نے لشکرِ اسلام کا علم اُٹھایا اور کسی کو اپنا امیر منتخب کرنے کا مشورہ دیا۔ سب کی متفقہ رائے سے حضرت خالدؓ بن ولید امیر بنے۔ انہیں مسلمانوں کی جانب سے کسی جنگ میں امیر بننے کا یہ شرف پہلی بار ملا تھا۔ وہ نہ صرف خود دیدہ دلیری سے لڑے بلکہ مسلمانوں کی فوج جو کافی حد تک حوصلہ ہار چکی تھی، انہیں بھی حوصلہ دے کر جواں مردی سے لڑایا۔ حضرت خالدؓ بن ولید کی تدبیر سے کثرت میں ہونے کے باوجود کفار میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے اور مسلمان کم تعداد کے باوجود فتح یاب ہوئے۔ اس جنگ میں کفار کے ساتھ بے خوفی سے لڑتے ہوئے حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھ سے نو (9) تلواریں ٹوٹی تھیں۔ دربارِ رسالت مآب ﷺ سے انہیں اس جنگ میں بے مثال کارگزاری پر ''سیف اللہ'' یعنی اللہ کی تلوار کا خطاب بھی ملا۔

نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے دسویں سال حضرت خالدؓ کو قبیلہ حارث کی طرف روانہ کیا کہ ان کا ظلم اور شرارتیں حد سے بڑھ گئی تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں نرمی سے سمجھانے کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہ سب راہِ راست پر آ گئے اور اسلام کی آغوش میں پناہ لے لی۔ نبی کریم ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت خالدؓ نے واپس آتے ہوئے بنی حارث کے ایک گروہ کو ساتھ

لائے۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ دورِ جاہلیت میں تم کس وجہ سے غالب آتے تھے؟ بنی حارث کے گروہ کا جواب تھا: ''ہم آپس میں اتفاق رکھتے تھے اس لیے کامیاب رہتے تھے۔'' نبی کریم ﷺ نے خوش ہوتے ہوئے فرمایا: ''تم سچ کہتے ہو۔ آئندہ بھی اتفاق سے کام لینا اور کبھی نفاق (پھوٹ پڑنا) کو قریب نہ آنے دینا۔'' یہ حضرت خالدؓ کا نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا آخری معرکہ تھا۔

حضرت خالدؓ بن ولید کئی جنگوں میں شریک ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد عرب کے کچھ قبائل اسلام سے پھر گئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں آپ اسلامی لشکروں کی سپہ سالاری کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ان کے دور میں 12 ہجری میں یمامہ کے مقام پر جنگ لڑی گئی۔ حضرت ابوبکرؓ کو مسندِ خلافت پر بیٹھے زیادہ عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ مسیلمہ کذاب نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کی سرکوبی کے لیے پہلے عکرمہؓ بن ابوجہل، ان کے پیچھے شرجیلؓ بن حسنہ اور آخر میں حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں لشکر روانہ کیا۔ حضرت عکرمہؓ میدان نہ مار سکے۔

حضرت خالدؓ نے عقربا کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ آپؓ کے مقابلے کے لیے مسیلمہ نے اپنے نامور سرداروں کو بھیجا مگر وہ تمام گرفتار کر لیے گئے۔ اس کے بعد مسیلمہ خود مقابلے پر آیا اور زبردست جنگ کا آغاز ہوا۔ کئی مسلمان سردار بھی شہید ہوئے۔ ایک موقع پر حضرت خالدؓ کفار کے لشکر کو کاٹتے ہوئے مسیلمہ تک پہنچے اور اس کو قتل کرنا چاہا، مگر مسیلمہ بھاگ گیا۔ اس کی فوج نے قریبی باغ میں پناہ لے کر پھاٹک بند کر دیا لیکن ایک مجاہد حضرت اسدؓ جست لگا کر اندر داخل ہو گئے۔ ان کی پیروی چند اور مجاہدین نے بھی کی۔ سب نے جاتے ہی پھاٹک کھول دیا۔ جنگ کا ایک بار پھر آغاز ہوا۔ اسی دوران حضرت جبیرؓ بن مطعم کا نیزہ مسیلمہ کذاب کو لگا اور اس کا کام تمام ہو گیا۔ اس کے مرتے ہی دشمن کی فوج میں افراتفری پھیل گئی اور اس نے بھاگنے ہی میں عافیت سمجھی۔ یوں اس جنگ کا خاتمہ ہوا۔ اس جنگ یمامہ میں مرتدین (مرتد کی جمع جو اسلام سے پھر جائیں) کے مرنے والوں کی تعداد تیرہ ہزار کے قریب تھی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ بنے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ بن ولید کو سپہ سالاری سے معزول کر دیا۔ اس کی کئی وجوہ بیان کی جاتی ہیں، مگر حضرت خالدؓ بن ولید نے خلیفہ وقت کے اس فیصلے کو خوش دلی سے تسلیم کیا اور حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کی ماتحتی میں ایک عام لشکری کی حیثیت سے اسی انداز اور سرگرمی سے جاں نثاری کا وہ انداز اپنایا جو ان کا ہر جنگ میں خاصا رہا۔

ایک موقع پر انہوں نے حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح سے فرمایا تھا کہ ''اللہ کی قسم! اگر فاروقِ اعظمؓ مجھے کسی لڑکے کے ماتحت کام کرنے کے لیے مقرر کر دیتے تو میں ان کی فرمانبرداری اور اطاعت کرتا۔ جہاں تک آپؓ کی ذات کا تعلق ہے تو آپؓ سابق الایمان (ایمان لانے والوں میں سبقت لینے والے) ہیں اور آپؓ کو نبی کریم ﷺ نے امین الامت (امت کے امانت دار) کا معزز خطاب عطا فرمایا تھا، لہٰذا آپؓ کا مرتبہ مجھ سے بہت بڑا ہے۔''

حضرت خالدؓ بن ولید نے 21 ہجری میں وفات پائی۔ آپؓ جب بسترِ علالت پر تھے تو اپنے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا: ''میں نے ان گنت جنگوں میں حصہ لیا، لیکن شہادت کی تمنا پوری نہ ہوئی۔ میرے جسم میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں تلوار، تیر یا نیزے کا زخم کا نشان نہ ہو لیکن افسوس! موت نے مجھے بستر پر آ دبوچا۔ مجھے جنگ میں شہادت نہ ملی۔''

☆☆☆

لتھوگرافی (Lithography)

پتھر یا پلیٹ کے ذریعے طباعت کا طریقہ ہے۔ ایک خاص قسم کے کاغذ پر، جو پیلے رنگ کا ہوتا ہے، ایک خاص قسم کی سیاہی سے لکھا جاتا ہے۔ اس کاغذ کو پتھر پر جما دیا جاتا ہے۔ لتھوگرافی کی ایجاد کا سہرا الائس سینی فیلڈر کے سر ہے جس نے 1796ء میں اسے معلوم کیا۔ لتھو کا پتھر خاص قسم کا ہوتا ہے جسے لتھوگرافک سٹون کہتے ہیں۔ اس پتھر کی نیلی اور سیاہ قسمیں اس غرض کے لیے سخت ترین اور بہترین ہوتی ہیں۔ نمونہ ساز اس پتھر کی سطح پر اپنا نمونہ آبی سیاہی یا ٹھوس قلم کے ساتھ بناتا ہے یا کاغذ پر سیاہی آمیز نمونہ بنا کر منتقل کرتا ہے۔

کئی رنگوں کے پوسٹر اور تصاویر چھاپنے کے لیے لتھوگرافی سے کام لیا جاتا ہے۔ ☆☆☆

معلومات عامہ

- دُنیا میں پہلی ریلوے لائن 13 مئی 1860ء میں بچھائی گئی۔
- سب سے زیادہ پہاڑ سوئزرلینڈ میں ہیں۔
- رقبے کے لحاظ سے تیسرا بڑا سمندر بحیرہ ہند ہے۔
- فرابی نے 80 سال کی عمر میں وفات پائی۔
- پاکستان میں سطح سمندر سے بلند ترین مقام K-2 ہے اور پست ترین مقام کراچی ہے۔
- قائداعظم کے علاوہ کرنسی نوٹوں پر کسی کی تصویر نہیں چھپی۔
- غزوۂ بدر میں 14 مسلمان شہید ہوئے۔
- پنڈت جواہر لال نہرو وہ پہلے غیر ملکی تھے جنھوں نے شکر پڑیاں میں پودا لگایا۔ (فہد شاہ، نوگزی، مانسہرہ)
- دُنیا کا سب سے بڑا عجائب گھر برطانیہ میں ہے۔
- دُنیا کا سب سے بڑا سمندر بحرالکاہل ہے۔
- صحارا دُنیا کا سب سے بڑا صحرا ہے۔
- ہرن کی رفتار 60 میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔
- بغداد کو خوابوں کی سرزمین کہتے ہیں۔
- بابائے طب بقراط کو کہتے ہیں۔
- مینار پاکستان کی 330 سیڑھیاں ہیں۔
- مینار پاکستان کی 20 منزلیں ہیں۔
- ترکی کا قومی نشان انار ہے۔ (احمد جمشید یوسف)
- شداد نے اپنی بنائی ہوئی جنت کا نام "ارم" رکھا تھا۔
- قوم بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر کا نام حضرت عیسیٰؑ ہے۔
- خون میں 75 فی صد پانی ہوتا ہے۔
- البانیہ براعظم یورپ کا غریب ترین ملک ہے۔
- سائیکلوں کا شہر چین کے شہر بیجنگ کو کہا جاتا ہے۔
- سکھ مذہب واحد مذہب ہے، جس میں تمباکو کو حرام قرار دیا گیا ہے۔
- مشہور شاعر لارڈ بائرن ریچھ کو پالتو جانور کے طور پر اپنے پاس رکھتا تھا۔ (محمد حارث سعید، بورے والا)

- بغیر پانی پیئے چوہا اونٹ سے زیادہ دنوں تک زندہ رہ سکتا ہے۔
- چیونٹا کچھ کھا ہی نہیں سکتا کیوں کہ بے چارے کا نہ تو منہ ہے اور نہ ہی پیٹ۔
- کتے کے جسم کے صرف ایک ہی حصے پر پسینہ آتا ہے اور وہ ہے اس کی زبان۔
- نر مچھر کسی کو نہیں کاٹتا، صرف مادہ مچھر کاٹتی ہے۔
- ہاتھی اور چوہے کے دانت ساری عمر بڑھتے رہتے ہیں۔
- مینڈک ناک کے علاوہ کھال سے بھی سانس لیتا ہے۔
- آسٹریلیا میں کوئی گلہری نہیں پائی جاتی۔
- اُلّو کو مغرب میں دانش مند جب کہ مشرق میں بے وقوف خیال کیا جاتا ہے۔ (ماہ رخ حنیف، بہاول پور)
- سات پہاڑوں کا شہر روم کو کہتے ہیں۔
- بازاروں کا شہر قاہرہ کو کہتے ہیں۔
- فلک بوس عمارتوں کا شہر نیویارک کو کہتے ہیں۔
- خاموش گزرگاہوں کا شہر وینس کو کہتے ہیں۔
- رنگیلے لوگوں کا شہر پیرس کو کہتے ہیں۔
- تاجروں کا شہر کوپن ہیگن کو کہتے ہیں۔
- ہواؤں کا شہر شکاگو کو کہتے ہیں۔
- دروازوں کا شہر ملتان اور لاہور کو کہتے ہیں۔
- ہوٹلوں کا شہر بیروت کو کہتے ہیں۔
- خلائی پروازوں کا شہر کیپ کینیڈی کو کہتے ہیں۔ (شمائل سہیل، راول پنڈی)
- سوئٹزرلینڈ وہ واحد ملک ہے جس کی کوئی فوج نہیں۔
- قطب شمالی میں سال میں ایک بار سورج نکلتا ہے۔
- دُنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن مجید ہے۔
- دُنیا میں سب سے زیادہ سنی جانے والی آواز اذان ہے۔
- دُنیا کے سب سے بڑے پھول کا نام ریفلشیا ہے، اس کا وزن ساڑھے آٹھ کلو ہے۔ (نمرہ افضل، جھنگ صدر)

"میرا خیال، اب چلنا چاہیے۔" عمار نے کہا۔

"کہاں؟" امجد نے پوچھا۔

"ذرا پولیس اسٹیشن تک۔" عامر نے جواب دیا۔

تینوں اُٹھے مگر ٹوگو وہیں بیٹھا رہا۔ اسے عامر اور عمار نے پکڑ کر زبردستی اُٹھایا اور کشاں کشاں باہر لے چلے۔ باہر نکلنے ہی لگے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ عامر نے ریسیور اُٹھایا اور احتیاطاً دبی آواز میں کہا۔ "ہیلو!"

"ایک گھنٹے تک لارڈز ہوٹل پہنچ جاؤ۔ وہاں بار روم میں تمہیں میرا قاصد ملے گا۔" غنغنی آواز والا بول رہا تھا۔

"بہت بہتر، سر!" عامر نے آواز دبا کر جواب دیا۔

"کس کا فون تھا؟" امجد نے پوچھا۔

"باس کا۔ اب اس کا نام تو معلوم نہیں مجھے۔ آواز سے پہچان لیتا ہوں۔" عامر نے جواب دیا۔

"کیا کہہ رہا تھا؟" عمار نے بے صبری سے پوچھا۔

"لارڈز ہوٹل میں میرے قاصد سے ملو۔"

"کون ملے؟" امجد نے سہم کر پوچھا۔

"ارے بھئی، اب تو ہمیں ہی ملنا پڑے گا۔ ٹوگو بے چارہ تو۔۔۔"

"جیل جائے گا۔" عمار نے بھائی کا فقرہ پورا کیا۔

پولیس اسٹیشن پہنچ کر امجد نے رپورٹ درج کرائی کہ ٹوگو نے تین بار جنگل میں آگ لگائی اور میرے بنگلے کے لیے خطرہ پیدا کیا۔ انسپکٹر نے رپورٹ لکھی اور ٹوگو کو ایک کانسٹیبل کے ساتھ لاک اپ میں بھیج دیا۔

اس کے جانے کے بعد عامر نے انسپکٹر کو بتایا کہ آج پھر لارڈز ہوٹل میں جرائم پیشہ لوگ جمع ہو رہے ہیں۔ اگر وہ اس وقت ہوٹل پر چھاپا ماریں تو ضرور کچھ لوگوں کو پکڑ سکیں گے، مگر انسپکٹر رضامند نہ ہوا۔ اس نے کہا۔ "اس ہوٹل میں سب کام معمول کے مطابق چل رہا ہے۔ تھانے میں اتنی نفری موجود نہیں کہ اسے بے کار کی مہم پر بھیجا جائے۔" تھانے دار کا صاف جواب سن کر تینوں لڑکے باہر نکل آئے۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملے سے بھی ہمیں پولیس کے تعاون کے بغیر ہی نپٹنا پڑے گا۔" عامر نے کہا۔

"فون کو ایک گھنٹا تو ہو گیا ہو گا۔ باس کا قاصد وہاں ٹوگو کا منتظر ہو گا۔" عمار بولا۔

"امجد، تمہیں کہاں چھوڑیں؟" عامر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے پوچھا تو امجد نے ان کے ہمراہ ہی رہنے کا ارادہ

ظاہر کیا۔

تھوڑی دیر میں وہ ہوٹل کے قریب پہنچ گئے۔ کار کو کچھ فاصلے پر، درختوں کے جھنڈ میں چھپا کر، وہ جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوٹل کے صدر دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ یہاں مکمل خاموشی تھی۔ کوئی آدمی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''یہاں تو کوئی نہیں ہے۔'' امجد نے سرگوشی میں کہا۔

''بدمعاشوں کا گروہ ہوٹل کا پچھلا حصہ استعمال کرتا ہے۔'' عامر نے بتایا۔

''چلو پچھلی طرف چلتے ہیں۔'' عمار نے کہا اور تینوں گھنے جھاڑ جھنکاڑ میں چھپتے چھپاتے پچھلے دروازے پر پہنچ گئے۔ دُور دُور تک کسی انسان کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ لپک کر دروازے تک پہنچے اور اسے دھکیلا تو پٹ کھل گیا۔ وہ دبے پاؤں اندر داخل ہو گئے اور راہ داری میں جا کر اس کمرے میں جھانک کر دیکھا جہاں انہوں نے ڈاکوؤں کو اپنے باس کی ہدایات کی ریڈیو کیسٹ سنتے دیکھا تھا، مگر کمرا خالی پڑا تھا۔

وہ چپکے سے اس کمرے میں داخل ہوئے جس کے دروازے پر کھڑے ہو کر پولارڈ نے اعلان کیا تھا کہ اصلی گٹار بجانے والے اب پہنچے ہیں اور انہیں دھوکا دیا گیا ہے۔ اس راستے سے وہ بال روم میں جانا چاہتے تھے کہ اچانک عامر نے دونوں ساتھیوں کو پکڑ کر ٹھہرا لیا۔ بند دروازے کی چھوٹی جھری میں سے اسے کوئی اندر بیٹھا ہوا نظر آیا تھا۔ وہ انہیں لے کر ساتھ والے ایک چھوٹے کمرے میں آیا اور درمیانی دروازہ بڑی احتیاط سے بند کر دیا۔ اس کمرے کا ہال میں کھلنے والا دروازہ پہلے ہی اندر سے بند تھا۔ انہوں نے دروازے کے شیشوں میں سے جھانک کر دیکھا۔ کوئی شخص ان کی طرف پشت کیے کرسی پر بیٹھا تھا۔

''یہ لوگو کا انتظار کر رہا ہے۔'' عمار نے کہا۔

اتنے میں اس آدمی نے بیٹھے تھک کر لمبی سی انگڑائی لی اور اپنی نشست پر سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ عامر نے اپنے ساتھیوں کو پیچھے کھینچ لیا، مگر ہٹنے سے پہلے عمار بھی اس آدمی کی ایک جھلک دیکھ چکا تھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پوری کھلی ہوئی تھیں۔

''یہ تو آرگن ہے۔'' عمار نے کہا۔

اسی وقت آرگن کے بولنے کی آواز آئی۔ وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ ''لوگو تو ابھی تک نہیں آیا۔ تم آئے تو میں نے سمجھا لوگو آ گیا۔''

''بس آتا ہی ہو گا۔ باس نے اسے فون پر اطلاع دے دی تھی۔ باقی لوگ میرے ساتھ ٹرک پر آئے ہیں۔ ہم نئی جگہ میٹنگ کے لیے جا رہے ہیں۔ شکر ہے وہ جگہ ایمرجنسی کے لیے باس نے خالی کرا لی تھی۔''

''آواز تو مانوس لگتی ہے۔'' عامر نے کہا اور ذرا سا سر اوپر کر کے دوسری طرف دیکھا۔ پھر حیران ہو کر بولا۔ ''عمار، یہ آنے والا سوڈانی رنگ ماسٹر ہے۔''

انہوں نے پھر آواز پر کان لگا دیے۔ آرگن کہہ رہا تھا۔ ''کہیں

وہ عامر اور عمار اس جگہ تو نہیں آ پہنچیں گے؟"

جواب میں سوڈانی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "ناممکن۔ وہ اپنی بغل میں رہنے والے ٹوگو کا پتا تو لگا نہیں سکے، آئے بڑے سراغ رساں بن کر۔"

"مگر مجھے تو عامر نے اسی رات پکڑ لیا تھا، جب میں چھپ کر ان کی باتیں سن رہا تھا۔" آرکن کہہ رہا تھا۔

"وہ تمہاری حماقت تھی۔ کیا فائدہ تھا باتیں سننے کا؟" سوڈانی بولا۔

"خیر، بعد میں میں نے انہیں ہموار کر لیا تھا اور اب انہیں مجھ پر کوئی شبہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے ہیں۔" آرکن نے کہا۔

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو..... مگر اس بدبخت عمار نے جوکر کا بہروپ بھر کر سارا کام ہی بگاڑ دیا، ورنہ سرکس میں گڑبڑ پھیل چکی تھی۔ اگر سب لوگ شورش برپا کرتے اور واپس چلے جاتے تو بڑا مزہ آتا۔ سرکس کی ساری ساکھ تباہ ہو جاتی اور پھر کوئی ادھر کا رخ نہ کرتا، مگر اس بدبخت لڑکے نے ساری سکیم تباہ کر دی۔ خیر، اب انہوں نے ہمارے کسی معاملے میں دخل دیا تو میں ان کم بختوں کو شیروں کے آگے ڈال دوں گا۔" سوڈانی نے دانت پیس کر کہا۔

عامر کان لگا کر سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے، گفتگو کے دوران وہ اپنے باس کا نام ظاہر کر دیں۔

اتنے میں سوڈانی بولا۔ "ہم باس کے ہر حکم پر سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں اور اس کو ہم پر اتنا بھروسا بھی نہیں کہ اپنا نام ہی ظاہر کر دے۔"

اس کے بعد دونوں کچھ دیر کسی ڈاکے کی کامیابی کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ پھر سوڈانی نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ "حیرت ہے! آخر ٹوگو کہاں رہ گیا۔ اس وقت تک اسے آ جانا چاہیے تھا۔"

"وہ کہیں اپنی زدمی کی یونی فارم میں پھنسا ہوا ہوگا۔ اس نے ان سراغ رسانوں کو خوب احمق بنا رکھا ہے۔ خیر، تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں یہیں ٹھہرتا ہوں، تم چلو۔ ہم دونوں تمہارے پیچھے آتے ہیں۔" آرکن نے کہا اور سوڈانی واپس چلا گیا۔

چند لمحے بعد انجن کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور خاصے شور کے ساتھ ٹرک چلا۔ دو منٹ بعد آواز فاصلے میں گم ہو گئی۔ آرکن بڑے تحمل سے بیٹھا ٹوگو کا انتظار کر رہا تھا، مگر عمار انتظار کرنے کا قائل

نہ تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ بڑھا کر عامر اور امجد کو قریب کھینچا اور سرگوشی میں کہا: "آؤ، اس پر حملہ کر دیں۔"

دونوں کو عمار کی تجویز پسند آئی۔ عمار اور عامر کمرے سے نکل کر ہال کے دروازے تک پہنچ گئے تاکہ آرکن کا راستہ روک سکیں لیکن بدقسمتی سے امجد کا پاؤں فرش پر لگے ہوئے کسی ڈھیلے تختے پر پڑا جس کی چرچراہٹ کی آواز پر آرکن چونک کر بجلی کی طرح تڑپ کر اٹھا اور چھلانگ مار کر ڈائس پر چڑھ گیا۔ وہاں سے دوڑ کر ڈریس روم میں جا گھسا اور اندر سے کنڈی لگا لی۔ لڑکوں نے کندھوں سے دھکیل کر دروازہ توڑنے کی کوشش کی۔ وہ کافی مضبوط تھا۔ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"فضول وقت ضائع نہ کرو۔ وہ کھڑکی سے نکل کر پائپ کے ذریعے اتر جائے گا۔ چلو، باہر چل کر اس کا راستہ روکیں۔" عامر نے کہا۔

تینوں لڑکے گولی کی طرح اڑتے ہوئے باہر آئے مگر پیچھے سے چکر کاٹ کر سامنے کے رخ آنے میں کچھ وقت لگا۔ وہ ابھی نکڑ نہیں مڑنے پائے تھے کہ موٹر اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ وہ ڈرائیو پر پہنچے تو گاڑی کی دھول کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔

"بچ کر نکل گیا۔" عامر نے افسوس کے لہجے میں کہا۔

"اب اس کا ہاتھ آنا مشکل ہے۔ وہ یقیناً اپنے اسی نئے اڈے پر جائے گا جہاں میٹنگ ہو رہی ہے۔"

"وہ نیا اڈا کہاں ہے؟" امجد نے پوچھا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" عامر نے جواب دیا۔

"میں تو یہ جانتا ہوں کہ اب وہ کبھی ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا۔" عمار بولا۔

"اگر سرکس کے حادثات میں آرکن اور سوڈانی رنگ ماسٹر کا ہاتھ ہے تو یقیناً ٹارنگی ان کا لیڈر ہے۔ ہم سرکس میں جا کر معلوم کرتے ہیں کہ وہ وہاں ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوا تو صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی میٹنگ میں ہوگا۔" عامر نے کہا اور وہ اپنی کار میں بیٹھ کر سرکس روانہ ہوئے۔

جاکو اور سابو سرکس کے شو کی تیاری میں لگے ہوئے تھے۔ لڑکوں کو دیکھ کر ان کے پاس چلے آئے۔ عمار نے انہیں خبر سنائی کہ زدمی کو انہوں نے پکڑوا دیا ہے اور وہ امجد کا دوست ٹوگو ہے۔ اس کے علاوہ آرکن اور سوڈانی سرکس کے حادثوں کے ذمہ دار ہیں اور

انہیں منیجر پر بھی شبہ ہے۔

"مگر سرکس سے تعلق رکھتے ہوئے یہ لوگ سرکس کو کیوں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں؟" امجد حیران ہو کر پوچھنے لگا۔

"ویسے منیجر ہے کہاں؟" عامر نے پوچھا۔

"وہ تو رنگ ماسٹر سوڈانی کے ساتھ دوپہر سے کہیں گیا ہوا ہے۔" سابو نے بتایا۔

اس کے بعد وہ سانپوں والی ماریانا کی گاڑی میں گئے۔ اس وقت وہ بددماغ حبشن اچھے موڈ میں تھی۔ انہیں دیکھتے ہی بولی۔ "آؤ، بیٹھو۔" لڑکے بیٹھ گئے تو وہ کہنے لگی:

"تمہارے لیے ایک خبر ہے۔ میں نے آرکن کو آج صبح ایک ناگ چرانے کی کوشش کرتے ہوئے پکڑ لیا۔ وہ میرا شو خراب کرنے کے لیے اسے غائب کرنا چاہتا تھا۔ ضرور اسی نے اس رات اسے تمہارے بستر پر پھینکا ہوگا۔" جب وہ خاموش ہوئی تو لڑکوں نے بھی اپنی نئی معلومات اسے سنائیں اور وہاں سے جلد ہی اُٹھ آئے۔

وہ سارے سرکس کا چکر لگاتے ہوئے ٹارسکی منیجر کی وین کے قریب پہنچے تو اس میں تالا پڑا تھا۔ اس کے بعد وہ دفتر کی وین چیک کرنے کے ارادے سے مڑے ہی تھے کہ کوئی آدمی وین کے اندر سے نکلا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا بریف کیس تھا۔

"یہ آرکن ہے اور یقیناً سرکس کا روپیہ چرا کر لے جا رہا ہے۔" عامر نے کہا۔ تینوں اسی طرف دوڑ پڑے۔

آرکن نے بھی انہیں دیکھ لیا اور چھلانگ لگا کر ایک طرف دوڑنے لگا۔ سرکس کی گاڑیوں کے آخری سرے پر ایک کار کھڑی تھی۔ وہ لپک کر گاڑی میں بیٹھا اور زناٹے سے ان کے قریب سے نکل گیا۔ لڑکے بھی اس کے پیچھے لپکے اور تھوڑی دُور جا کر اپنی گاڑی آگے کر کے اس کا راستہ روک لیا اور نیچے اُتار لیا۔

"آرکن تمہارا کھیل ختم ہوا۔" عمار نے کہا۔

عامر نے اس کی بیلٹ اُتار کر اس کے ہاتھ باندھے اور اسے بھی لے جا کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ کیش کا بریف کیس بھی عامر نے اس کی گاڑی سے اُٹھا لیا تھا۔

"اب رہ گئے ٹارسکی اور سوڈانی۔ خدا جانے وہ کہاں ہوں گے؟" عمار نے کہا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے ایک دم اس کے چہرے پر رونق آ گئی۔ وہ بولا:

"عامر، وہ خفیہ جگہ وہی 415 نمبر کمرا تو نہیں؟ سوڈانی کہہ رہا تھا کہ شکر ہے باس نے ایجنسی کے لیے وہ جگہ خالی رکھ چھوڑی ہے۔"

"ارے! بالکل! مجھے اس کا خیال ہی نہیں آیا۔" عامر نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

مزید وقت ضائع کیے بغیر وہ کار میں بیٹھ کر اسی عمارت کی طرف روانہ ہوئے جس میں کمرا نمبر 415 تھا۔ انہوں نے گاڑی کو کچھ فاصلے پر چھوڑا اور پائپ کے ذریعے اوپر چڑھ گئے۔ پھر چوتھی منزل کی کھڑکیوں کے باہر بڑھی ہوئی کارنس پر کھڑے ہو کر اندر جھانکنے لگے۔ ان کا اندازہ درست نکلا۔ جوزف سوڈانی، پولارڈ، حبشی دربان گوی، سبز پہاڑی والا جوگی اور عمارت کا وہ چوکیدار جس نے انہیں یہ کمرا دکھایا تھا، کمرے میں موجود تھے۔ ٹارسکی بھی ایک کرسی پر بیٹھا تھا، مگر اس کی ٹانگیں اور بازو رسی سے بندھے ہوئے تھے۔ اس کی یہ حالت لڑکوں کو یہ سمجھانے کے لیے کافی تھی کہ اس کا جرائم پیشہ گروہ سے کوئی واسطہ نہیں۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور سوڈانی نے ریسیور اُٹھایا۔ باقی آدمی بھی ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ فون کھڑکی کے قریب ہی کونے میں رکھا تھا، اس لیے لڑکے بھی جانی پہچانی غنغنی آواز کو سن سکتے تھے:

"تم سب باہر کے کمرے میں جمع ہو جاؤ! میں ابھی پہنچ رہا ہوں! ہمیں اسی وقت روانہ ہونا ہے۔" اس ہدایت کے ساتھ فون بند ہو گیا۔

وہ لوگ باہر کے کمرے میں جانے لگے۔ سوڈانی نے ٹارسکی کو بھی کھولا اور دوسرے کمرے کی طرف دھکیلنے لگا۔ وہ بہت خوف زدہ

اور عجیب۔ معلوم ہو رہا تھا۔

دوسرے کمرے میں ملی جلی آوازیں آتی تھیں مگر سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔ لڑکوں نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ساتھ والے کمرے کی کھڑکی کو دھکیلا تو وہ کھل گئی اور تینوں باری باری کمرے میں کود گئے۔ دروازہ بند تھا، مگر ایک جھری سے وہ دوسرے کمرے کا منظر دیکھ سکتے تھے۔ راہداری میں بھاری قدموں کی آواز گونجی اور سب بڑے اشتیاق سے اس طرف دیکھنے لگے۔ جب آنے والا سامنے آیا تو امجد حیرت سے اُچھل پڑا اور اپنے ساتھیوں کو ایک طرف لے جا کر بولا۔ ''یہ تو ہماری ڈرامنگ کمپنی کا ڈائریکٹر ٹاکسن ہے۔''

''ہاں، جب ہم تمہارے ساتھ ری ہرسل دیکھنے گئے تھے تو ٹوگو نے ہمارا اس سے تعارف کرایا تھا۔ تو یہ ہے ان کا باس۔''

ادھر سوڈانی نے بھی حیران ہو کر یہی کہا۔ ''اچھا! تو آپ ہیں باس، مگر.....''

''ہاں میں ہی باس ہوں۔ میں ہی تمہیں ہدایات جاری کرتا ہوں۔'' اس نے چٹکی میں اپنی ناک دبا کر مخصوص آواز نکالتے ہوئے کہا۔

''یعنی تم میرے سرکس میں تخریب کاری کرتے رہے۔ تم نے آرکن اور سوڈانی کو اپنے ساتھ ملا کر یہ سب کچھ کیا۔ کیوں؟'' ٹارسکی نے پوچھا۔

''انتقام! انتقام لینے کے لیے۔ یاد ہے، ہم دونوں سرکس کمپنی میں حصہ دار تھے، مگر تم نے مجھے مجبور کر کے میرا حصہ خرید لیا۔ میں نے تمہارے اس سلوک کو کبھی نہیں بھلایا۔'' ٹاکسن نے اپنی اصلی آواز میں کہا۔

''مگر میں نے تمہیں پوری قیمت ادا کی۔ تم کمپنی کو نقصان پہنچا رہے تھے۔ میں نے تمہیں الگ کر دیا۔'' ٹارسکی نے کہا۔ ''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

ٹاکسن نے قہقہہ لگا کر کہا: ''ارادہ؟ صرف اتنا کہ آج رات کشتی کی سیر کو جائیں گے، جھیل میں تمہیں تیرنے کو چھوڑ دیں گے اور خود واپس آ جائیں گے۔ تم کچھ دیر غوطے کھانا، پھر مزے سے جھیل میں بیٹھ جانا۔''

''اس کے بعد کیا پروگرام ہے؟'' سوڈانی نے پوچھا۔

''واپس آ کر ہم گرین ولا جائیں گے۔ ٹوگو آج صبح میرے پاس آیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس ضدی لڑکے امجد کو اس نے خفیہ تہ خانے میں بند کر دیا ہے۔ اس کے والدین اس مکان کو بیچنے پر کسی طرح رضامند نہ ہوتے تھے۔ میں نے ٹوگو کو جنگل میں آگ لگانے پر مقرر کیا۔ یہ لوگ پھر بھی نہ ڈرے تو نئی چال میرے دماغ میں آیا کہ ان کے لڑکے کو غائب کر دیا جائے۔ اس کے والدین لندن سے واپس آئیں گے تو انہیں بھی اسی تہ خانے میں دفن کر دیا جائے گا۔ یہ بنگلا ہمارے کام کے لیے بہت موزوں ہے۔ آبادی سے الگ تھلگ۔ جنگل کے قریب۔ ہم اسے اپنے ہیڈ کوارٹر کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔''

''تو کیا لارڈز ہوٹل کو بالکل چھوڑ دیا جائے گا؟'' ایولارڈ نے پوچھا۔

''وہ چھوڑنا ہی پڑے گا، کیوں کہ حکومت اس کو ڈھا کر ادھر سے بڑی سڑک نکالنا چاہتی ہے۔'' ٹاکسن نے جواب دیا۔

عامر نے اپنے ساتھیوں کو اشارے سے بلایا اور کہا کہ میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔ تم دونوں اس کمرے میں چوکس رہو۔ اگر کوئی ڈاکو اس طرف سے فرار ہونا چاہے تو اسے پکڑ لو۔ وہ کھڑکی میں سے پھلانگ کر ساتھ والے کمرے میں پہنچا اور بڑی آہستگی سے ڈائل گھما کر پولیس کو اس مکان کا پتا دیا۔

پندرہ منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ پولیس کے دستوں نے مکان کو گھیر لیا۔ کچھ سپاہی کمند ڈال کر اوپر آئے اور دروازہ کھول کر سب سپاہیوں کو اوپر بلا لیا۔

سب کو ہتھکڑیاں لگا دی گئیں، مگر ٹاکسن موقع پا کر کمرے میں جا گھسا۔ وہ کھڑکی پر چڑھنے ہی لگا تھا کہ لڑکوں نے اس کی ٹانگ کھینچ لی اور پکڑ کر باہر کے کمرے میں لے آئے۔

''یہ ہے اس گینگ کا سرغنہ۔ اسی کے حکم سے سارے شہر میں ڈکیتی کی وارداتیں ہوتی ہیں۔ اسی نے تین بار جنگل میں آگ لگوائی تھی تاکہ سید صاحب کے مکان پر قبضہ کر سکے۔'' عامر نے کہا۔

''اسی شخص نے میری سرکس کمپنی میں خطرناک وارداتیں کروائیں۔'' ٹارسکی نے شکایت کی، جو پولیس تھانے میں پہلے ہی سے درج تھی۔ جب پولیس ڈاکوؤں کو گرفتار کر لے گئی تو ٹارسکی اور امجد نے عامر اور عمار کا بے حد شکریہ ادا کیا اور کہا:

''ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہم نے تمہاری مدد حاصل کی۔''

(ختم شد)
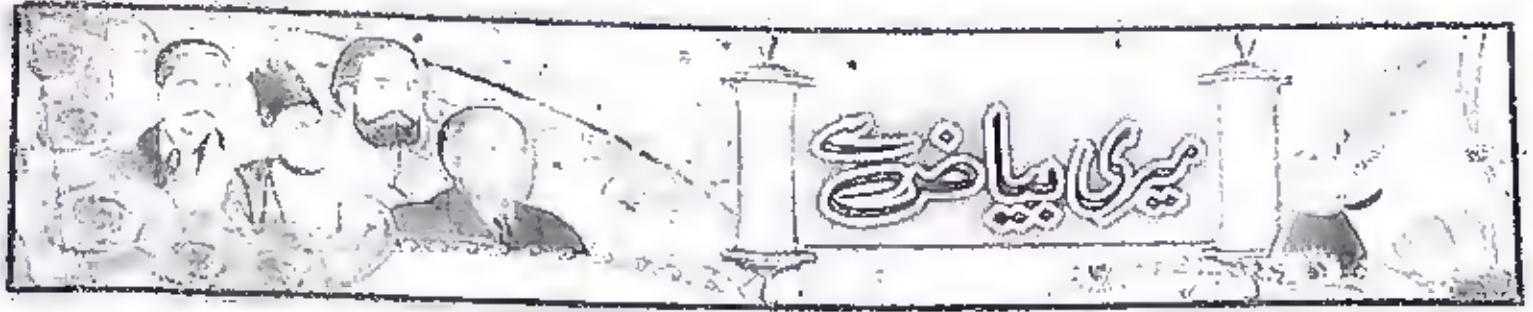
جس کو طوفاں سے الجھنے کی ہو عادت محسن
ایسی کشتی کو سمندر بھی دعا دیتا ہے

☆

ذرا سی رنجش پر لوگ چھوڑ دیتے ہیں دامن
عمر بیت جاتی ہے دل کے رشتے بنانے میں

(عمیرہ احمد، ملتان)

میرے خاموش رہنے پہ کوئی الزام مت دینا
سمندر تو سمندر ہیں، کبھی بولا نہیں کرتے

(نیر سلطانہ، گجرات)

مجھے محسوس ہوا درد جدائی کیا ہے
میں نے اک پھول جو ٹہنی سے بکھرے دیکھا

☆

اپنی آشفتہ مزاجی پہ ہنسی آتی ہے
دشمنی سنگ سے اور کانچ کا پیکر رکھنا

(صالحہ کاردار، کھاریاں)

کہنے کو میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں
امجد مگر وہ شخص مجھے بھولتا نہیں

(صائمہ طفیل، کوئٹہ)

جنوں میں جتنی بھی گزری ہے
اگرچہ دل پہ خرابی ہزار گزری ہے
وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

☆

خالی ہاتھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے فراز
کس طرح لوگ لکیروں سے نکل جاتے ہیں

(انور رانا کامران، لاہور)

جو دل دکھا ہے تو یہ عزم بھی ملا ہے ہمیں
تمام عمر کسی کا نہ دل دکھائیں گے ہم

☆

آخر وہ بھی کہیں ریت پہ بیٹھی ہو گی
تیرا یہ پیار بھی دریا ہے اتر جائے گا
مجھ کو تہذیب کی برزخ کا بنایا وارث
جرم یہ بھی مرے اجداد کے سر جائے گا

(کظیمہ زہرہ، لاہور)

عمر بھر ہم یوں ہی غلطی کرتے رہے غالب
دھول چہرے پہ تھی اور ہم آئینہ صاف کرتے رہے

(زل رانا، لاہور)

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا تو میں کیا ہوتا

(سمیعہ توقیر، کراچی)

ٹوٹ جاتے ہیں سب الفاظ و معانی کے طلسم
بے زبانی میں عجب قوتِ گویائی ہے

☆

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

(محمد شہزاد صوفی، چاچڑاں شریف)

یا رب! دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

(شفق فاطمہ، راول پنڈی کینٹ)

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(محمد عمر عثمان، عبدالحی، جھنگ صدر)

دائم آباد رہے گی دنیا
ہم نہ ہوں گے کوئی ہم سا ہو گا

(ثناء اکرم، سرگودھا)

☆

محمد ابراہیم، ملتان
میں فوجی آفیسر بن کر ملک کی خدمت اور حفاظت کروں گا۔

عادل خان، کراچی
میں فوج میں شامل ہو کر قوم کی خدمت کروں گا۔

وجیہہ شفقت، نوشہرہ
میں بڑی ہو کر استانی بنوں گی۔

رانا عبداللہ زاہد، لاہور
میں پڑھ لکھ کر ملک ، قوم کی خدمت کروں گا۔

محمد ارشد بھٹی، لاہور
میں آرمی آفیسر بن کر ملک دشمنوں کا مقابلہ کروں گا۔

زوہیب اختر، لاہور
میں میجر بن کر اپنے ملک کی حفاظت کروں گا۔

عشال فاطمہ، راول پنڈی
میں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کوشش کروں گی۔

عبداللہ وسیم، ایبٹ آباد
میں پاک فضائیہ میں شامل ہو کر ملک کی خدمت کروں گا۔

زخرف سرور، ننکانہ
میں بڑا ہو کر آرمی آفیسر بنوں گا اور خلوص دل سے ملک کی خدمت کروں گا۔

زینب سہیل، لاہور
میں بڑی ہو کر ڈاکٹر بنوں گی اور ملک کی خدمت کروں گی۔

ملائکہ رؤف، لاہور
میں استانی بن کر غریب بچوں کو مفت تعلیم دوں گی اور جہالت کو ختم کروں گی۔

سحر جاوید، سیال کوٹ
میں ڈاکٹر بن کر دکھی انسانیت کی خدمت کروں گی۔

عبیداللہ صدیقی، وہاڑی
میں ڈاکٹر بن کر دکھی انسانیت کی خدمت کروں گا۔

بلال حسن جٹ، گڑھا موڑ
میں بڑا ہو کر انجینئر بنوں گا اور ملک کا نام روشن کروں گا۔

محمد عبداللہ، گوجرانوالہ
میں کمانڈو بن کر برائیوں کا خاتمہ کروں گا۔

محمد شوال خاں، اوکاڑہ
میں عالم دین بن کر نیکی کی دعوت دوں گا۔

فریحہ زاہد، اسلام آباد
میں تعلیم مکمل کر کے ملک کی خدمت کروں گا۔

علیشا رحمن، ڈیرہ اسماعیل خان
میں حافظہ بن کر دین اسلام کی خدمت کروں گی۔

محمد ابوہریرہ، گوجرانوالہ
میں انجینئر بن کر ملک کا نام روشن کروں گا۔

نعت شریف

دو جہاں کے تاجور میرے حضورؐ
راہنما و راہبر میرے حضورؐ
بن کے آئے رحمۃ اللعالمیں
حال دل سے باخبر میرے حضورؐ
عظمتوں کی بن گئے زندہ مثال
جب گئے ہیں عرش پر میرے حضورؐ
شافعِ روزِ جزا خیرالوریٰ
تاجدارِ بحر و بر میرے حضورؐ
زندگی ہم بھی گزاریں اسی طرح
کر گئے جیسے بسر میرے حضورؐ
گڑگڑائیں جو غلاموں کے لیے
ایسے آقا ہیں قمر میرے حضورؐ

(ریاض حسین قمر، منگلا ڈیم)

زبانِ رسالتؐ کے جواہرات

1- جو اللہ کی راہ میں بوڑھا ہوا تو بڑھاپا اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگا۔ (مسند احمد)

2- جس نے روزے دار کو روزہ افطار کروایا اور مجاہد کی تیاری کی اس کے لیے اس کی مثل اجر ہے۔ (مسند احمد)

3- بدگمانی سے بچو کیوں کہ بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔ (بخاری مسلم)

4- جس آدمی کے پاؤں اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوئے، اس کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔ (بخاری)

5- بندہ جس حالت میں مرا، اسی حالت میں اُٹھایا جائے گا۔ (مسلم)

6- جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے اللہ اس پر عذاب مسلط کر دیتا ہے۔ (طبرانی)

7- اللہ تعالیٰ سخی ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے۔ (جامع الضمیر)

8- جو شخص اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ اسے بلند شان عطا کرتا ہے۔ (مسلم)

9- والدین کی نافرمانی اور جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے۔ (ترمذی)

10- گناہ وہ ہے جو انسان کے دل میں کھٹکے اور وہ ڈرے کہ کہیں لوگوں کو اس کا علم نہ ہو جائے۔ (مسلم)

11- مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے محفوظ رہیں۔ (بخاری)

12- جو اللہ کی راہ میں روزہ رکھے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے سے جہنم کی آگ ستر سال دور کر دیں گے۔ (مسند احمد)

13- جس نے جان بوجھ کر جھوٹ کی نسبت میری طرف کی اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (متفق علیہ)

14- جو دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار اُٹھاتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں آگ میں ہیں۔ (ابن ماجہ)

15- دھوکے باز کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا جس کے ساتھ وہ پہچانا جائے گا۔ (مسلم)

(حبیب الرحمان، ننکانہ صاحب)

ماں

ماں کے ہی دم سے تو پھیلی ہوئی رعنائی ہے
تین لفظوں میں کائنات سمٹ آئی ہے
ماں وہ تخلیق ہے کہ جس کا نہیں کوئی بدل
ماں حقیقت میں اُبھرتی ہوئی سچائی ہے
ہے ماں کا پیار سمندر کی تہوں سے گہرا
ماں اُلفت سے مہکتی ہوئی پروائی ہے
حشر برپا ہو اگر ماں نہ کائنات میں ہو
روئے زمین پہ بکھری ہوئی بھلائی ہے
تزئی کہتی ہے سب سے قدر ماں کی خوب کرو
کیوں کہ جنت تو ماں کی ذات میں سمائی ہے

اقوالِ زریں

1- تعلیم کا مقصد انسانیت کی تکمیل ہی نہیں بلکہ روحانی طرزِ فکر کی نشوونما بھی ہے۔

2- انسان میں مادہ پرستی کا دارومدار نظریا روحانیت کی کمی ہے۔
3- سوچ کے بھٹک جانے سے ارادے متزلزل ہو جاتے ہیں۔
4- اخلاقی اقدار کو کھو دینے والے حیوانوں کے زمرے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ (نازیہ نزتی، نوشہرہ کینٹ)

مہکتی کلیاں

☆ اُمید نہ ہوتی تو دُنیا بے نور ہو جاتی ☆ مایوس تو وہ ہو جس کا رب نہ ہو ☆ غصہ ضبط کرنا دانائی کی علامت ہے ☆ بہادروں کے لیے مشکلات محض عارضی رکاوٹیں ثابت ہوتی ہیں ☆ زبان کو قابو میں رکھو، یہ تمہاری شخصیت کا ہتھیار ہے ☆ غم کا سورج کتنا ہی تابناک ہو، خوشیوں کے بادلوں میں ڈوب جاتا ہے ☆ ظلم کی رات کتنی ہی طویل ہو، انصاف کی صبح ضرور طلوع ہوتی ہے ☆ نیکی کر کے بھول جانا، نیکی کو دُگنا کر دیتا ہے ☆ اپنوں کی نصیحت پر عمل کر لو، ایسا نہ ہو کہ تمہیں باہر سے کوئی دوسرا نصیحت کرے ☆ خاموشی ایک ایسا درخت ہے جس پر کڑوا پھل نہیں لگتا ☆ حیا کی کشش حسن کی کشش سے زیادہ ہے ☆ بے وقوف شخص وہ ہے جو اپنا راز بتا کر اس کو راز رکھنے کی درخواست کرے۔

انمول موتی

☆ جو شخص مقروض نہیں، اسے امیر سمجھو۔
☆ فضول اُمیدیں احمقوں کا سرمایہ ہے۔
☆ کوئی ملک اس وقت تک غلام نہیں بنایا جا سکتا جب تک کہ خود اس ملک کے لوگ حملہ آور کی مدد نہ کریں۔
☆ جس کے پاس کتاب ہے، وہ اکیلا نہیں۔
☆ زندگی اتنی تلخ نہیں کہ اس سے دور بھاگا جائے، اتنی شیریں بھی نہیں کہ اس کے پیچھے بھاگا جائے۔
☆ جس کی اُمیدیں چھوٹی ہوتی ہیں، اس کے عمل بھی درست ہوتے ہیں۔
☆ جو شخص آرام دہ زندگی گزارنا چاہتا ہے، وہ اپنے دل سے لالچ نکال دے۔
☆ تنہائی بُرے دوستوں سے بہتر ہے۔ (نائزہ رزاق، خانیوال)

مطالعے کے فوائد

☆ علم حاصل کرنے کے لیے مطالعہ اتنا ہی ضروری ہے جتنا کنول کے لیے پانی۔
☆ علم کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو، ذوق صحیح نہ ہو تو علم بے نتیجہ اور بے اثر ہے۔
☆ مطالعے کے دو فوائد ہوں گے: ایک تمہاری معلومات میں اضافہ ہوگا اور دوسرا تمہاری شخصیت دل چسپ بنے گی۔
☆ کتابوں کے اوراق کی نسبت انسانوں کے چہروں کا مطالعہ زیادہ دل چسپ ہے۔
☆ جو لوگ مطالعہ نہیں کرتے، وہ کچھ بول نہیں سکتے اور علم کی طاقت، ان کی زبان سے ظاہر نہیں ہوتی۔
(اسامہ ظفر راجہ، سرائے عالم گیر)

اچھی باتیں

1- وقت وہ پرواز گھوڑا ہے جنہیں دُم سے نہیں پکڑا جا سکتا۔
2- دل وہ شیشہ ہے جو ٹوٹ کر کبھی نہیں جڑتا۔
3- اخلاق وہ ہتھیار ہے جس کا دشمن مقابلہ نہیں کر سکتا۔
4- ماں وہ موسم ہے جس میں ہر وقت بہار ہوتی ہے۔
(خالد نثار، ہنگو)

نایاب موتی

☆ دُنیا میں اس طرح رہو کہ جب تم کسی سے ملو تو وہ دوبارہ تم سے ملنے کے لیے بے قرار رہے اور جب تم مر جاؤ تو تمہاری یاد میں آنسو بہائے۔
☆ کسی کا دل توڑنے سے پہلے اتنا سوچ لو کہ اس کی کرچیوں سے تمہارے ہاتھ بھی زخمی ہو سکتے ہیں۔
☆ انسان کو دریا کی طرح سخی، سورج کی طرح روشن اور چاند کی طرح شفیق اور زمین کی طرح فراخ دل ہونا چاہیے۔
☆ انسان کی سب سے بڑی دولت اس کا اچھا اخلاق ہے۔
☆ خوش مزاج انسان ٹوٹے ہوئے دل کی دوا ہے۔
☆ کسی کو پانے کی تمنا مت کرو بلکہ اپنے آپ کو اس قابل کرو کہ لوگ تمہیں پانے کی تمنا کریں۔ (حافظ انعام الحق، کبیر والا)

سنگھاڑے

سنگھاڑہ (Water Chestnut) کالی رنگت والا پھل ہے

جس کا سائنسی نام "Trapa" ہے۔ اس کی کئی انواع (Species) ہیں جن میں "Trapa bispinosa" عام ہے۔ یہ آبی پودا ہے جو پانی کی سطح پر تیرتا ہے لیکن پانی میں 5 میٹر گہرائی تک ہوتا ہے۔ چین اور بھارت میں اس کو 3000 برس سے کھایا جا رہا ہے۔ سنگھاڑے کی سبزی مائل سیاہ سطح یعنی چھلکا اتارنے پر اندر سے سفید بڑا بیج نکلتا ہے جو سٹارچ سے بھرپور ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں لوگ اسے "گری" کہتے ہیں۔ پودے کا تنا 3.6 سے 5 میٹر (12 تا 15 فٹ) لمبا ہوتا ہے۔ جڑیں نیچے کیچڑ میں دھنسی ہوتی ہیں۔ وہ پتے جو سطح پر ہوتے ہیں ان کی لمبائی 2 سے 5 سینٹی میٹر تک ہو سکتی ہے۔ پھول کی پتیاں 4 ہوتی ہیں۔ گرمیوں کے اختتام پر پھل آ جاتا ہے جس پر 4 نوکیلے کانٹے ہوتے ہیں۔ سنگھاڑے کا پھل 0.5 انچ (1 سینٹی میٹر) یا بڑا بھی ہو سکتا ہے۔ سنگھاڑوں کو اُبال کر کھایا جاتا ہے۔ سنگھاڑے خشک کر کے ان کو پیس لیا جاتا ہے۔ سنگھاڑے کے اس آٹے کو دودھ میں ڈال کر ملائی کی موٹی تہہ حاصل کی جاتی ہے۔ کچے سنگھاڑے کی سطح پر لیور فلیوک (Liver Flukes) ہو سکتے ہیں جو پیٹ کے امراض پیدا کرتے ہیں۔ پاکستان میں سیال کوٹ، نارووال، گوجرانوالہ، شیخوپورہ کے علاقوں میں سنگھاڑا کاشت ہوتا ہے۔

الفریڈ کوپر وولنر

شہر لاہور میں مال روڈ پر عجائب گھر کے سامنے پنجاب یونیورسٹی قائداعظم کیمپس کی پُرشکوہ عمارت ہے۔ اس یونیورسٹی کے شعبہ فارسی

کے باہر ایک مجسمہ نصب ہے جو ایک چبوترے پر رکھا ہے۔ اس چبوترے پر واضح طور پر لکھا ہے۔ الفریڈ کوپر وولنر (Alfred Cooper Woolner) مئی 1876ء کو پیدا ہوئے اور 57 برس کی عمر میں 7 جنوری 1936ء کو انتقال کر گئے۔ آپ پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے اور سنسکرت (Sanskrit) کے پروفیسر تھے۔

سنسکرت ہندو اور بدھ مت کے لوگوں کی زبان ہے۔ اس زبان میں خاصا ادبی کام ہوا ہے جس میں پروفیسر وولنر کا بھی حصہ ہے۔ پروفیسر صاحب نے 1902ء سے 1928ء تک بطور لائبریرین بھی خدمات سرانجام دیں۔ 1903ء میں آپ نے بحیثیت رجسٹرار بھی کام کیا۔ بعدازاں آپ کی شاندار کارکردگی پر وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی مقرر ہوئے۔ 1928ء سے 1936ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ آپ کی علم دوستی کا ثبوت آج بھی پنجاب یونیورسٹی کی 9000 کے لگ بھگ سنسکرت اور ہندی کتابوں کی صورت میں موجود ہے۔ پروفیسر صاحب کو جیل روڈ لاہور کے گورا قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔

انسانی ناخن

انسانی ناخن (Nail) عموماً تعداد میں بیس ہیں۔ دس ہاتھوں اور دس پاؤں کی انگلیوں کے کورز (Covers) ہوتے ہیں۔ ناخن
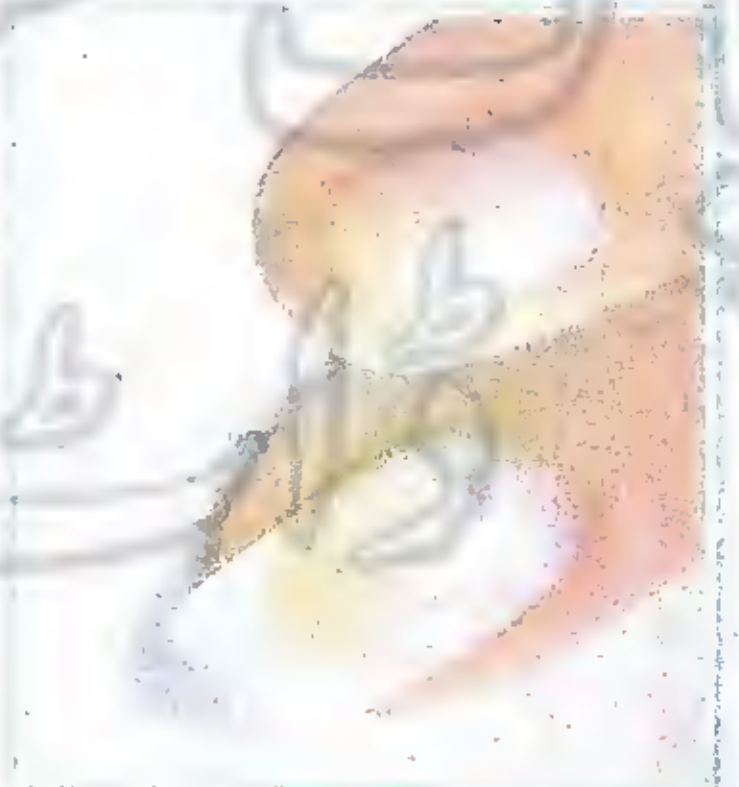
ایک پروٹین کے بنے ہوتے ہیں جسے کیراٹن (Keratin) کہا جاتا ہے۔ ناخن کا چوڑا درمیانی حصہ "Nail Plate" کہلاتا ہے۔ جلد (skin) کے مردہ خلیوں کا بنا یہ حصہ سخت ہوتا ہے۔ ناخن کے نیچے "Nail Bed" ہوتا ہے جس کی حفاظت سخت ناخن کرتا ہے۔ ناخن کی جڑ کو "Nail Sinus" کہا جاتا ہے۔ ناخن کا اگلا سرا جو نوچنے کا کام کرتا ہے اسے فری مارجن (Free Margin) کہتے ہیں۔ ناخن کا بنیادی کام انگلیوں کے نازک سروں (Tips) کی حفاظت کرنا ہے۔ ان کی مدد سے گرد کھولنے، کھجلی کرنے اور اشیاء پکڑنے میں مدد ملتی ہے۔ ہاتھوں کے ناخن پاؤں کے ناخنوں کے مقابلے میں 4 گنا تیزی سے بڑھتے ہیں۔ ناخنوں کی نشوونما کا انحصار عمر، غذا اور صحت پر ہے۔ ناخنوں کی بناوٹ سے مختلف امراض کی تشخیص کرنے میں مدد ملتی ہے۔

پٹروناس ٹوئن ٹاور

پٹروناس ٹوئن ٹاور (Petronas Twin Tower) ملائشیا کی بلند ترین عمارت ہے جو 452 میٹر بلند ہے۔ اس کی تعمیر 1998ء

کو مکمل ہوئی اور چار برس تک یہ عمارت دُنیا کی بلند ترین عمارت رہی۔ 88 منزلہ اس عمارت کو ماہر تعمیرات "Cesar Pelli" نے ڈیزائن کیا۔ یکم جنوری 1992ء کو کھدائی شروع ہوئی اور آخرکار یکم اگست 1999ء کو وزیراعظم ڈاکٹر مہاتیر محمد نے اس عظیم الشان ٹاور کا افتتاح کیا۔ عمارت کا فرش 395,000 مربع میٹر پر مشتمل ہے۔ لوہے، اسٹیل، کنکریٹ اور شیشے کی بنی اس عمارت کے دو حصوں کے درمیان ایک پل بھی ہے جو 170 میٹر بلند اور 42 ویں منزل پر قائم ہے۔ یہ پل 58 میٹر طویل ہے۔ عمارت میں کئی سرکاری، نجی اور عالمی دفاتر قائم ہیں۔ ملائشیا کے دارالحکومت کوالالمپور کی آسمان سے باتیں کرتی اس عمارت میں جدید لفٹ لگی ہیں۔ امریکہ، چین، بھارت، ایران و پاکستان کے فلم سازوں نے اس عمارت کے اندر و باہر کئی مناظر اپنی فلموں میں شامل کر رکھے ہیں۔

درج ذیل دیے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ حضرت محمد ﷺ نے اپنی عمر مبارک میں صرف ایک حج کیا تھا۔ بوقت حج ان کی عمر کیا تھی؟

i۔ 62 سال　ii۔ 63 سال　iii۔ 64 سال

2۔ دنیا میں سب سے زیادہ ناریل کہاں پیدا ہوتے ہیں؟

i۔ ملائشیا　ii۔ انڈونیشیا　iii۔ سری لنکا

3۔ شہروں کی ماں (ام القریٰ) کس شہر کو کہا جاتا ہے؟

i۔ مدینہ منورہ　ii۔ مکۃ المکرمہ　iii۔ جدہ

4۔ وہ کون سا عنصر ہے جو ہیرے میں سب سے زیادہ پایا جاتا ہے؟

i۔ میکا　ii۔ نائٹرک ایسڈ　iii۔ کاربن

5۔ دنیا کا سب سے چھوٹا براعظم کون سا ہے؟

i۔ یورپ　ii۔ انٹارکٹیکا　iii۔ افریقہ

6۔ علامہ اقبال کا یہ شعر بانگ درا سے لیا گیا ہے۔ مکمل کیجیے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں ....

7۔ سورۃ الحدید قرآن پاک کی ایک سورۃ کا نام ہے۔ اس کا مطلب کیا ہے؟

i۔ چاندی　ii۔ پیتل　iii۔ لوہا

8۔ پاکستان نے ٹیسٹ کرکٹ کا آغاز کب کیا؟

i۔ 1952ء　ii۔ 1953ء　iii۔ 1954ء

9۔ پارہ کتنے درجے پر جم جاتا ہے؟

i۔ 54 درجے پر　ii۔ 55 درجے پر　iii۔ 56 درجے پر

10۔ پاکستان کے کس شہر کو Queen of Hills کا نام دیا گیا ہے؟

i۔ ایبٹ آباد　ii۔ مری　iii۔ سوات

جوابات علمی آزمائش دسمبر 2015ء

1- سورۃ اللہب 2- شب قدر 3- زکریا رازی 4- ہائیڈروجن 5- پرنس، لاقت پہاڑ نمبر بھی ہے 6- شتر مرغ 7- جنوبی افریقہ 8- کاغان 9- حج 10- اطالوی

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جا رہے ہیں۔

☆ شاہ زیب علی، سرگودھا　(150 روپے کی کتب)

☆ محسن خان، کراچی　(100 روپے کی کتب)

☆ حافظ غلام غوث اصغر، لاہور　(90 روپے کی کتب)

دماغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی:

کشف طاہر، لاہور۔ ملک جیام غفور، راول پنڈی۔ عاتکہ قاسم، لاہور۔ محمد سلیم مغل، قصور۔ ہشیار علی، قصور۔ محمد احمد غوری، جویریہ غوری، بہاول پور۔ عدن فاطمہ، لاہور۔ ثمن رؤف، لاہور۔ صبا شوکت، گوجرانوالہ کینٹ۔ محمد عمر عثمان، محمد دلبر، جھنگ صدر۔ حرا ارشد، سارا ارشد، عائشہ امجد، سرگودھا۔ محمد ریحان المصطفیٰ، فیصل آباد۔ حمزہ عدنان زاہد، لاہور۔ صفاء الیاس خان، اسلام آباد۔ حافظ ثناء عروج، فیصل آباد۔ ایمان فاطمہ، راول پنڈی۔ حلیم اسحاق، جہلم۔ تماضر ساجد، صادق آباد۔ واجد اسلم، خانیوال۔ امبر فاطمہ دختر حاجی عبدالقیوم، ننکانہ صاحب۔ محمد احمد، ڈیرہ غازی خان۔ امتیاز علی، لاہور۔ محمد عمر، واہ کینٹ۔ احمد بن عاصم، راول پنڈی۔ علینا اختر، کراچی۔ ہادیہ حق، راول پنڈی۔ عالیان ارشد، لاہور۔ لاریب ممتاز، لاہور۔ حدیقہ عارف، لاہور۔ شاہ زیب حسن، پشاور۔ نجم اختر، منڈی بہاؤ الدین۔ آمنہ سلام، اسلام آباد۔ نمرہ اختر، سرگودھا۔ وجیع الحسن، ٹوپ کلیاں۔ سمعیہ ذوتیر، کراچی۔ ریحان اکبر اعوان، گوجر خان۔ شاہ سوار احمد، گوجر خان۔ محمد احسن جہانگیر اعوان، راول پنڈی۔ حسین بلال، گوجر خان۔ خدیجہ شجاعت، لاہور۔ ملک محمد احسن، راول پنڈی۔ حبیب الرحمٰن غنی، ڈیرہ اسماعیل خان۔ افراء سجاد، راول پنڈی۔ خدیجہ نعیم، لاہور۔ طلحہ محمود ملک، لاہور۔ عبدالجبار رومی انصاری، لاہور۔ محمد شمیس خان، ڈیرہ غازی خان۔ تیمور ذوالفقار، لاہور۔ قیصر ظہیر چغتائی، جہلم۔ مقدس چوہدری، راول پنڈی۔ سید محمد عثمان نفیس، گوجرانوالہ۔ انہام علی، شیخوپورہ۔ محمد بلال صدیقی، کراچی۔ ردا فاطمہ فریال، راول پنڈی۔ علی عبداللہ قیوم، حبیب الرحمٰن، ننکانہ صاحب۔ فجر امجد، فیصل آباد۔ محمد نور احمد ایسر، ڈیرہ اسماعیل خان۔ مسز محمد اکرم صدیقی، میانوالی۔ شہزادی خدیجہ شفیق، لاہور۔ سید محمد علی حسن، لاہور۔ عائشہ نذیر، کراچی۔ ندیم بیگ، نوشہرہ۔ محمد سلیمان بٹ، ساہی وال۔ اعیان جاوید، حیدر آباد۔ عروسہ خالد، خنک۔ امتیاز عالم، قلعہ دیدار سنگھ۔ ظل ہما، ملتان۔ ☆☆

ننھے قارئین

بوجھو تو جانیں

1- شکل ہے اس کی بہت ہی بھولی
پیٹ کے ساتھ ہی لگی ہے جھولی

2- پھولوں میں گلاب، پھلوں میں جامن کہلائی
میٹھی میٹھی ایسی بھی ہے ایک مٹھائی

3- آگے لگے تو سب کا ہیرو
پیچھے ہو تو رہے گا زیرو

4- لال ہے، سر پہ تاج سجا ہے
اس کے لیے سو بیمار بجا ہے

5- عقل کی چاہیے اس میں حویلی
بوجھو تو جانیں، بتا میری سہیلی

6- سو سو بار قرآن اٹھائے
ایک حرف بھی وہ نہ پڑھنے پائے

7- جب وہ بولے ایک اکیلا
سارے سے اس کا واویلا

8- جس نے اس کو ہاتھ لگایا
ڈوری یا رسی سے جکڑا
لیکن جب میدان چھوڑا
وہ چکرایا، گھوما دوڑا

9- کالے جن کی کالی ماسی
ہے وہ سب کے خون کی پیاسی

جوابات: 1- کینگرو 2- گلاب جامن 3- زیرو 4- انار
5- پہیلی بوجھنا 6- رحل 7- سائرن 8- لٹو 9- جوں

اس باغ میں چھ چیزیں گیند، ٹائی، جوتا، کتاب، برش اور ٹوپی چھپی ہوئی ہیں۔ یہ کتے بہت دیر سے تلاش کر رہے ہیں مگر انہیں نہیں ملتی۔
کیا آپ تلاش کر سکتے ہیں؟ ایک ایک چیز کو غور سے دیکھیے۔
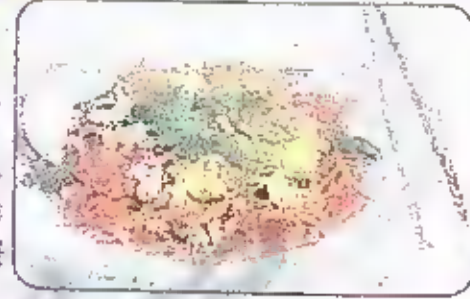
وائٹ چوکو اورنج چیز کیک

اجزاء:

بسکٹ کرمز: 1 پیکٹ   پگھلا مکھن: 4 کھانے کے چچ

فلنگ کے اجزاء:

اورنج جوس: 1 کپ   جلیٹن پاوڈر: 2 کھانے کے چچ   کٹی وائٹ چاکلیٹ: 300 گرام

کریم چیز: 14 اونس   پسی چینی: 1/3 کپ   کریم: 1 کپ

اورنج زیسٹ: 2 کھانے کے چچ   اورنج سلائس: ڈیکوریٹ کرنے کے لیے   کدوکش چاکلیٹ: گارنش کے لیے

ترکیب: ایک باؤل میں 4 کھانے کے چچ پگھلے مکھن میں 1 پیکٹ بسکٹ کا چورا ملالیں۔ اب اسے 9 انچ کے اسپرنگ فارم ٹن میں ڈال کر دبائیں اور فریزر میں سیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ فلنگ بنانے کے لیے 2 کھانے کے چچ جلاٹین پاوڈر کو ایک کپ اورنج جوس یا دودھ میں بھگو دیں۔ پھر اسے ہلکی آنچ پر اچھی طرح ملالیں، لیکن اُبال مت آنے دیں۔ دوسرے باؤل میں 14 اونس کریم چیز بیٹ کر 1/3 کپ پسی چینی ملائیں۔ پھر اس میں جلیٹن بھی شامل کر کے ملا لیں۔ اب 300 گرام کٹی وائٹ چاکلیٹ پگھلائیں اور جب تھوڑی ٹھنڈی ہو جائے تو کریم چیز والے آمیزے میں مکس کر لیں۔ پھر اس میں 2 کھانے کے چچ اورنج کا چھلکا اور 1 کپ کریم ڈالیں اور اچھی طرح ملالیں۔ اب تیار آمیزے کو بسکٹ والے ٹین پر ڈالیں اور سیٹ ہونے کے لیے چھوڑ دیں۔ سرو کرنے سے پہلے اورنج سلائس اور کدوکش چاکلیٹ سے سجالیں۔

سیچوان چکن پاستا

اجزاء:

چکن: 1/2 کلو   اُبلا پاستا: 1/2 کلو   لال شملہ مرچ: 1 عدد   پیاز: 2 عدد   ہری پیاز: 2 عدد   تازہ لال مرچ: 2 عدد

تل کا تیل: 1 کھانے کا چچ   لہسن: 1 کھانے کا چچ   نمک: 1/2 چائے کا چچ   کالی مرچ: 1/2 چائے کا چچ

چلی سوس کے اجزاء:

یخنی: 1 کپ   براؤن شوگر: 1 چائے کا چچ   چلی سوس: 1 کھانے کا چچ   کارن فلور: 1 کھانے کا چچ   سویا سوس: 2 کھانے کے چچ   تیل: 2 کھانے کے چچ

ترکیب: ☆ 1 کھانے کا چچ تل کا تیل گرم کر کے اس میں 1/2 کلو چکن تیز آنچ پر پکائیں۔ ☆ اب اس میں 1 کھانے کا چچ لہسن، 1/2 چائے کا چچ کالی مرچ اور 1/2 چائے کا چچ نمک ڈال کر ڈھک دیں۔ ☆ چلی سوس کے لیے ایک پیالی میں 1 کپ یخنی، 1 چائے کا چچ براؤن شوگر، 1 کھانے کا چچ چلی سوس، 1 کھانے کا چچ کارن فلور، 2 کھانے کے چچ سویا سوس اور 2 کھانے کے چچ تیل ڈال کر مکس کر لیں۔ ☆ اس کے بعد چکن میں 1/2 کلو ابلا پاستا، 2 عدد پیاز، 1 عدد لال شملہ مرچ اور 2 عدد ہری پیاز شامل کر کے 5 منٹ دم پر رکھیں اور چولہا بند کر دیں۔ ☆ آخر میں اس میں سوس اور تل کا تیل ڈال کر چولہا بند کر دیں۔ مزے دار پاستا تیار ہے۔

پُرانے وقتوں کی بات ہے کسی گاؤں میں سیب کا ایک بہت بڑا درخت تھا۔ اسی گاؤں میں ایک چھوٹا سا لڑکا ثاقب بھی رہتا تھا۔ ثاقب کو سیب کے درخت سے اتنا لگاؤ تھا کہ وہ کئی کئی گھنٹے اسی درخت کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ کبھی بندر کی طرح اس کی شاخوں پر چڑھ جاتا اور سیب اُتار کر کھانے لگتا تو کبھی اس کے تنے کے ساتھ چپک کر بیٹھا رہتا اور جب کبھی تھک جاتا تو اس کی گھنی چھاؤں میں لمبی تان کر سو جاتا۔

جس طرح ثاقب کو درخت سے پیار تھا اسی طرح سیب کا درخت بھی ثاقب کو اپنے ساتھ کھیلتا دیکھ کر بہت خوشی محسوس کرتا تھا۔ اگر کسی دن ثاقب نہ آتا تو سیب کا درخت سارا دن اُداس رہتا۔ دن اسی طرح گزرتے گئے اور ثاقب بڑا ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ثاقب نے سیب کے درخت کے ساتھ روزانہ کھیلنا بھی چھوڑ دیا۔

ایک دن ثاقب، سیب کے درخت کے پاس آیا تو کچھ پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

"ثاقب! میرے پاس آؤ اور مجھ سے کھیلو!" یہ سیب کے درخت کی آواز تھی۔

"نہیں! اب میں بچہ نہیں رہا، اب میں درختوں سے مزید نہیں کھیل سکتا۔" ثاقب پریشان زدہ لہجے میں بولا۔ "مجھے کھیلنے کے لیے کھلونے خریدنے ہیں، جن کے لیے مجھے پیسے درکار ہیں۔"

"میں معذرت چاہتا ہوں دوست! میرے پاس تو پیسے نہیں ہیں۔" سیب نے ثاقب سے کہا۔

ثاقب کی بات سن کر سیب کا درخت کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا۔ "ہاں! ایک راستہ ہے، تم میرے تمام سیب اُتار کر فروخت کر دو تو تمہیں کھلونے خریدنے کے لیے اچھی خاصی رقم مل جائے گی۔"

سیب کے درخت کی بات سن کر ثاقب کے چہرے پر خوشی رقص کرنے لگی۔ اس نے فوراً سیب اُتار کر ٹوکری میں جمع کرنا شروع کر دیئے۔ تھوڑی ہی دیر میں درخت کے تمام سیب ٹوکری میں پہنچ گئے۔ ثاقب نے ٹوکری اُٹھائی اور درخت کا شکریہ ادا کیے بغیر ہی بازار کی طرف چل پڑا۔ سیب کا درخت اپنے دوست کو یوں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ ثاقب کا رویہ دیکھ کر سیب کا درخت بہت غمگین ہوا۔

کافی عرصہ گزر گیا اور سیب کا درخت ثاقب کی راہ دیکھتا رہا۔ پھر ایک دن ثاقب واپس آیا تو اسے دیکھتے ہی سیب کا درخت خوشی سے چہک اُٹھا۔ ثاقب اب ایک جوان لڑکے کی صورت اختیار کر چکا تھا۔

"ثاقب! میرے پاس آؤ اور مجھ سے کھیلو میرے دوست!" سیب کے درخت نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"دیکھو! میرے پاس کھیلنے کا وقت نہیں ہے۔ میں بہت پریشان

ہوں۔ مجھے اپنے گھر والوں کی فکر لاحق ہے۔ مجھے رہنے کے لیے ایک گھر درکار ہے۔ کیا تم میری مدد کر سکتے ہو؟"

ثاقب کے چہرے پر چھائی اداسی دیکھ کر سیب کا درخت بھی پریشان ہو گیا۔

"میں معذرت چاہتا ہوں دوست! میرے پاس کوئی گھر تو نہیں ہے، لیکن اگر تم چاہو تو میری شاخیں کاٹ کر ان سے اپنا گھر بنا سکتے ہو۔"

سیب کے درخت کی بات سن کر ثاقب کا افسردہ چہرہ خوشی سے دمک اُٹھا اور اس نے کلہاڑا لے کر سیب کے درخت کی شاخیں کاٹنا شروع کر دیں۔ کچھ ہی گھنٹوں میں درخت کی تمام شاخیں کٹ گئیں اور صرف تنے کا وجود باقی رہ گیا۔ ثاقب کو خوش دیکھ کر سیب کا درخت بھی خوشی سے سرشار تھا گو کہ وہ اپنی تمام شاخوں سے محروم ہو چکا تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اب دوبارہ کبھی وہ ایسی ہری بھری شاخیں حاصل نہیں کر سکے گا۔

ثاقب نے شاخوں کو گدھا گاڑی پر لادا اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اب بھی اس نے سیب کے درخت کا شکریہ ادا نہ کیا۔ ثاقب کے جانے کے بعد سیب کا درخت ایک بار پھر سے اکیلا پڑ گیا۔

کئی سال یوں ہی گزر گئے۔ ایک روز شدید گرمی میں ثاقب پھر سیب کے درخت کے پاس لوٹا۔ گزرتے وقت نے اسے بوڑھا کر دیا تھا۔ ان دنوں گرمی زوروں پر تھی۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے وہ نڈھال لگ رہا تھا۔

"ثاقب! کیا تم میرے ساتھ کھیلنا پسند کرو گے؟" پرانے دوست کو سامنے پا کر سیب کے درخت نے اسے بچپن کی یادیں تازہ کرنے کی دعوت دی۔

"میں بوڑھا ہو چکا ہوں، اب کھیلنے کودنے کے دن گئے۔" ثاقب لاچارگی کے ساتھ بولا۔ "کیا تم مجھے ایک کشتی دے سکتے ہو؟ میں دریا کی سیر کر کے سکون حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میری مدد کرو گے؟"

"دوست! میں تمہیں کشتی دینے سے تو قاصر ہوں البتہ تم میرے تنے کو کاٹ کر کشتی بنا سکتے ہو۔"

سیب کے درخت کا اتنا کہنا تھا کہ ثاقب فوراً ہی بڑھئی کو بلا لایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تنے کی کٹائی شروع ہو گئی اور کچھ ہی گھنٹوں بعد بڑھئی نے اپنی کمال مہارت اور کاریگری سے سیب کے درخت کے تنے کو ایک خوبصورت کشتی میں بدل دیا۔

ثاقب نے کشتی کو سواری پر لادا اور دریا کے کنارے کی طرف چل دیا۔ سیب کے درخت کا شکریہ ادا کرنا شاید اس نے اس بار بھی ضروری نہ سمجھا۔

کئی سال گزر جانے کے بعد ثاقب ایک بار پھر درخت کے پاس آ پہنچا۔ حالات نے اس کو ایک ادھیڑ عمر اور کمزور شخص میں تبدیل کر دیا تھا۔ ثاقب کو دیکھتے ہی سیب کا درخت جو صرف ایک جڑ کی صورت میں باقی تھا، بول اُٹھا:

"میرے دوست! میں انتہائی معذرت خواہ ہوں، میرے پاس تمہیں دینے کے لیے اب کچھ بھی نہیں بچا۔ اب تو میں تمہیں سیب دینے سے بھی قاصر ہوں۔"

"کوئی بات نہیں! اب تو میرے دانت بھی نہیں رہے کہ سیب کھا سکوں۔" ثاقب نے جواب دیا۔

"اب تو میری شاخیں اور تنا بھی نہیں رہا کہ جس سے تم کھیل سکو۔ افسوس! اب میں اس جڑ کے علاوہ تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔" سیب کے درخت نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

"مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، زندگی کی بھاگم بھاگ نے مجھے تھکا دیا ہے۔ اب میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ کیا میں تمہارے ساتھ بیٹھ کر آرام کر سکتا ہوں؟" ثاقب کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں اور وہ سیب کے درخت کی جڑ کے پاس بیٹھ گیا۔

سیب کا درخت اپنے پرانے دوست کی واپسی پر بہت خوش تھا اور اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری تھے۔

پیارے بچو! ثاقب اور سیب کے درخت کی یہ کہانی ہم سب کے لیے ہے۔ ہمارے والدین، سیب کے درخت کی مانند ہیں۔ بچپن کے دنوں میں ہم نہ صرف ان سے کھیلتے کودتے ہیں بلکہ ان کے ذریعے اپنی غذائی و دیگر ضروریات بھی پوری کرتے ہیں لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے، ہم ان سے دُور ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دن ان کو چھوڑ دیتے ہیں اور پھر صرف اسی صورت میں واپس پلٹتے ہیں جب ہمیں کسی کی ضرورت ہوتی ہے یا ہم کسی بڑی مشکل میں پھنس جاتے ہیں۔ حالات جیسے بھی ہوں، یہ والدین ہی ہوتے ہیں جو ہمیں سب کچھ دیتے ہیں اور ہماری خوشیوں کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اس لیے ہمارا بھی یہ فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے والدین کا خیال رکھیں اور ان سے پیار کریں۔

......☆......

گاجر کا استعمال بینائی تیز کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا بلکہ اس کے کئی طبی فوائد بھی ہیں۔ گاجر کے جوس کا باقاعدہ استعمال ناخن، بال، دانت اور ہڈیوں کے لیے انتہائی مفید ہے۔ طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ گاجر میں وٹامن اے، بی اور ای سمیت کئی ایسے قدرتی اجزاء پائے جاتے ہیں جو انسانی صحت کے لیے انتہائی اہم ہیں۔ ماہرین کے مطابق روزانہ گاجر کا جوس پینے سے نہ صرف جگر کا نظام فعال ہوتا ہے بلکہ یہ کینسر کی رسولیوں کی افزائش روکنے میں بھی ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔

گاجر کا جوس اگر پالک کے جوس کے ساتھ ملا کر اور تھوڑا سا لیموں کا رس ملا کر پیا جائے تو قبض کی شکایت دور ہوتی ہے کیوں کہ پالک انتڑیوں کو صاف کرنے میں مدد دیتی ہے۔ ہاضمہ کی خرابیوں کو دور کرتی ہے۔ معدے کا السر، چھوٹی اور بڑی آنت کی بیماری کو روکتی ہے۔ بدن کی نشوونما کے ساتھ انسانی جسم میں خون کو صاف رکھتی ہے۔

گاجر کا جوس اسہال کے مرض میں ایک عمدہ قدرتی علاج ثابت ہوتا ہے۔ یہ پانی کی کمی کو دور کرتا ہے۔ نمکیات کی کمی کو پورا کر دیتا ہے اور آنتوں کو سوزش سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اس کے استعمال سے جراثیم کی نشوونما رک جاتی ہے اور قے، متلی کی شکایت دور ہو جاتی ہے۔ گاجر کے جوس کو کرشماتی مشروب کہا جاتا ہے۔ گاجر ہر قسم کے طفیلی کیڑوں کی دشمن ہے۔ بچوں کے پیٹ سے کیڑے خارج کرنے کے لیے بہت مفید ہے۔ ایک چھوٹا کپ کدوکش کی ہوئی گاجر صبح نہار منہ کھانا اس سلسلہ میں بہت مفید ہے۔ گاجر کو مختلف طریقوں سے کھایا جاتا ہے۔ اسے سلاد کی صورت میں کچا استعمال کر سکتے ہیں۔ اُبال کر بھی مفید ہے۔ بھون کر سالن کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کا شوربہ اور جوس دُنیا بھر میں مشہور ہے، البتہ زیادہ مفید کچی استعمال کرنا ہوتی ہے کیوں کہ زیادہ پکانے سے اس کے معدنی اجزاء بڑی تعداد میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ سردیوں میں گاجر کا حلوہ طاقت کے لیے اور جسم کو گرم رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ گاجر کو کدوکش کر کے دودھ میں پکایا جاتا ہے۔ جب اچھی طرح پک جائے تو دیسی گھی، بادام، مغز، چلغوزہ، اخروٹ، پستہ اور ورق نقرہ لگا کر استعمال کیا جاتا ہے۔ گاجر کا مربہ سارا سال دستیاب رہتا ہے۔ دل اور معدہ جگر کو طاقت دیتا ہے۔ خفقان اور اختلاج قلب میں مفید ہے۔ یاد رہے کہ گاجر کا مزاج گرم تر ہوتا ہے۔

گاجر کا اچار بھی مرچ، نمک اور رائی ملا کر بنایا جاتا ہے۔ معدہ کو طاقت دیتا ہے اور جگر و تلی کے امراض دُور کرنے میں بہترین معاون ہے۔ کھانا کھاتے وقت اس کا تھوڑا سا استعمال بہت مفید ہوتا ہے۔ کھانسی اور سینے کے درد میں گاجر بہترین چیز ہے۔ گاجریں دماغ کو دُور کرتی ہیں۔ دماغی پریشانی ختم کرتی ہیں اور روح کو تازگی بخشتی ہیں۔ پیشاب تکلیف سے آتا ہو تو گاجر کا جوس پینے سے پیشاب کھل کر آتا ہے۔ نہار منہ پانچ بادام بچوں کو کھلا کر گاجر کا جوس پلانے سے حافظہ تیز ہوتا ہے۔

دل کے امراض اور خفقان کے لیے گاجر کو بھوبھل میں دبا کر نرم کیا جائے اور پھر اسے چیر کر رات کو شبنم میں رکھ دیں اور صبح کو روح کیوڑہ اور چینی ملا کر کھائی جائے، بے حد مفید ہے۔

گاجر سرخ بھی ہوتی ہیں اور کالی بھی۔ کالی گاجر کی کانجی بنتی ہے۔ اس میں کیروٹین، فولاد، چونا، فاسفورس، پروٹین، نشاستہ اور روغنی اجزاء بھی پائے جاتے ہیں۔

☆☆☆

حلوائی کی دُکان اور دادا جی کی فاتحہ

رحیم اپنے دادا کی برسی کے موقع پر شہر سے سامان لینے گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اپنے گاؤں سے شہر آیا تھا۔ وہ اتنی بڑی بڑی دُکانیں دیکھ کر بے حد حیران ہوا۔ بازار میں ایک بہت بڑی دُکان پر قسم قسم کی رنگا رنگ مٹھائیوں سے بھرے تھال سجے تھے جو چاندی کے ورقوں سے جگمگ کر رہے تھے اور خوشبو سے سارا ماحول مہک رہا تھا۔ اس نے سوچا، ''اگر وہ تھوڑی سی مٹھائی خرید کر گھر لے گیا اور اس پر دادا جی کی فاتحہ کہلوائی تو اس ذرا سی مٹھائی کو دیکھ کر سب لوگ کیا سوچیں گے؟ کیوں نہ میں اس ساری دُکان پر ہی خود فاتحہ کہہ دوں کہ جیسے ملا جی کہتے ہیں۔ بظاہر تو دُکان پر یہ مٹھائی ویسے ہی پڑی رہے گی مگر اصل میں دادا جی کو پہنچ جائے گی، حلوائی کا بھی کوئی نقصان نہ ہوگا اور میرے بھی پیسے بچ جائیں گے۔'' یہ سوچ کر وہ مسجد میں گیا، وضو کر کے آیا اور دُکان کے قریب کھڑے ہو کر فاتحہ کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر لوگ حیران ہوئے اور اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ حلوائی نے آ کر اس کا کندھا پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا: ''ارے او میاں! یہ کیا مذاق ہے؟''

رحیم خفا ہو کر بولا: ''اچھے مسلمان ہو، فاتحہ کو مذاق کہہ رہے ہو۔ میں اپنے دادا جی کی فاتحہ کہہ رہا ہوں اور تم لوگ اکٹھے ہو کر تماشا دیکھنے لگے ہو۔''

اس کی بات سن کر سب ہنسنے لگے اور بولے:

''واہ! یہ خوب ہے کہ حلوائی کی دُکان پر ہی دادا جی کی فاتحہ کہی جا رہی ہے؟'' لوگوں نے خوب مذاق اڑایا۔ رحیم خالی ہاتھ واپس آیا تو لوگوں کے پوچھنے پر بتانے لگا۔

''تھوڑی سی مٹھائی خرید کر لانے کی بجائے میں نے حلوائی کی پوری دُکان پر ہی دادا جی کی فاتحہ پڑھ دی۔''

رحیم کی اس بات پر گھر میں بھی خوب مسخرہ اڑایا گیا۔ لہٰذا جب کوئی دوسرے کی چیز سے خود فائدہ اٹھانا چاہے تو کہتے ہیں کہ تمہاری تو وہی مثال ہے کہ حلوائی کی دُکان اور دادا جی کی فاتحہ!

جیسے ہی ٹیپو نے دروازہ دھیرے سے اندر دھکیلا تو جسم میں سنسنی کی تکیلی لہر دوڑا دینے والی خفیف سی چرچراہٹ کی آواز پیدا ہوئی۔ دونوں کے دل اُچھل کر حلق میں آ گئے اور وہ اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گئے۔ ایسا لگا کہ انہوں نے کسی بوسیدہ تابوت کا ڈھکن کھولا ہو۔ اندر سے ایک ناگوار بو اُن کی ناک سے ٹکرائی۔

چرچراہٹ کے جواب میں اندر سے کسی قسم کا کوئی ردعمل نہیں آیا تو اُن کے جسموں کی اکڑن ختم ہو گئی۔ ٹیپو نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ مانی نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔

''کیا ہوا؟'' ٹیپو نے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

م...... مجھے ڈر لگ رہا ہے ٹیپو...... اندر نہیں جاؤ۔''

''ہش پاگل......'' ٹیپو نے اُسے ڈانٹا۔ ''ڈرنے والی کون سی بات ہے۔ اندھیرے سے ڈر رہے ہو؟'' لیکن حقیقت میں ٹیپو کی دھڑکنیں بھی انجانے خوف سے بے ربط ہو رہی تھیں۔

''اندھیرے سے نہیں، اُس بڑھیا سے ڈر لگ رہا ہے، جو یہاں رہتی ہے...... سنا ہے کہ وہ جادوگرنی ہے۔ اُس نے بہت سے بچوں کو غائب کر دیا ہے۔'' مانی نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''بے کار کی بات ہے...... کسی نے آج تک اُس بڑھیا کو دیکھا ہی نہیں ہے...... صرف آواز سنی ہے...... ہاں بس بوڑھے کو دیکھا ہے۔ وہ بوڑھی عورت بچوں کو کہاں غائب کرے گی بھلا۔'' ٹیپو نے یہ کہہ کر اندر جھانکا۔ ''لگتا ہے، اندر کوئی نہیں ہے۔''

''ہم اپنی گیند لینے آئے ہیں۔ گیند نہیں ملی تو اب ہمیں واپس چلنا چاہیے۔'' مانی نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ''اندھیرا بڑھ گیا ہے۔''

''گیند کا تو بہانہ ہے، میں تو اصل میں اُس بڑھیا کو دیکھنا چاہتا ہوں، اِسی لیے تو دیوار پھلانگ کر اندر آئے ہیں۔'' ٹیپو بولا۔

دونوں سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ پھر ٹیپو نے مانی کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور اندر داخل ہو گیا۔ مانی نے ڈرتے ڈرتے اس کی پیروی کی۔ آج تک انہوں نے گلی کے کونے والا یہ مکان باہر سے ہی دیکھا تھا۔ اب پہلی بار اندر سے دیکھ رہے تھے۔ اس مکان کے آس پاس اور کوئی عمارت نہیں تھی۔ بس کچھ فاصلے پر ایک میدان تھا، جہاں علاقے کے بچے اور لڑکے کرکٹ وغیرہ کھیلا کرتے تھے۔ اگر کبھی کسی کی گیند یہاں آ گرتی تو کسی میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ دروازے پر دستک دے کر گیند مانگے۔ پہلے کئی بار ایسا ہوا تھا کہ اگر کسی کی گیند گئی اور انہوں نے دروازہ بجایا تو اندر سے بڑھیا کی چیختی ہوئی آسیبی آواز سنائی دی اور

لڑکے خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلے تھے۔اس مکان میں ایک بوڑھا اور بڑھیا رہتے تھے۔ بوڑھے کو تو اکثر دیکھا گیا تھا، مگر بڑھیا کو کسی نے نہیں دیکھا تھا،صرف آواز سنی تھی،اس لیے وہ جادوگرنی مشہور ہو گئی تھی۔

ٹیپو اور مانی اندر داخل ہو کر ایک نیم تاریک راہ داری میں آ گئے ۔ اس کے دونوں جانب کمروں کے دروازے تھے اور سرے پر مدقوق سی پیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی، جو اتنی بڑی راہ داری کے لیے ناکافی تھی۔ جب وہ اندر آئے تھے تو اس وقت مغرب کی اذان ہو چکی تھی، مگر یہاں تو آدھی رات سے بھی زیادہ کا وقت محسوس ہو رہا تھا۔ٹیپو دل کڑا کر کے آگے بڑھ رہا تھا، کئی بار اس کے جی میں آئی کہ وہ پلٹ کر بھاگ لے ،مگر اُسے اپنی بہادری کا بھرم بھی رکھنا تھا۔ اس وحشت زدہ ماحول میں رچی،دماغ چکرا دینے والی بو نے انہیں بے چین کر دیا تھا۔دونوں اطراف کی کہنہ سال (پرانی) اور میلی دیواروں کا رنگ اُڑا ہوا تھا۔ جب وہ دونوں راہ داری کے موڑ پر پیلی روشنی والے حصے میں پہنچے تو ایک دم ''پٹ'' کی آواز کے ساتھ چھت پر سے کوئی چیز اُن کے عین سامنے گری۔

دونوں نے پھٹی پھٹی نظروں سے فرش کی طرف دیکھا، جہاں ایک غیر معمولی جسامت کی کالی چھپکلی ساکن حالت میں انہیں دیکھ رہی تھی۔ دونوں کے منہ سے گھگھیاتی ہوئی آوازیں نکلیں۔اتنی بڑی چھپکلی انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔اچانک ہی وہ ایک طرف بھاگ نکلی اور لمحہ بھر میں نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

اُن دونوں کی جانیں لبوں پر آ گئی تھیں۔ مانی وحشت زدہ لہجے میں بولا۔'' میں جا رہا ہوں واپس ......تم بھلے جا کر اُس منحوس جادوگرنی کو دیکھو...... مجھے کوئی شوق نہیں ہے اُسے دیکھنے کا۔''

''بات سنو۔''ٹیپو نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''مجھے نہیں سننی کوئی بات......''مانی مچلنے لگا۔

یک بارگی ٹیپو چونک گیا۔''شش...... آواز سنی تم نے؟''

مانی بھی ٹھٹک گیا اور غور سے سننے کی کوشش کرنے لگا،تب اُس نے ایک مدھم سی آواز سنی۔یوں لگا،جیسے کوئی عورت ہلکی سی آواز میں گنگنا رہی ہے ۔پتا نہیں اس آواز میں کیسا سحر تھا کہ دونوں بے اختیار اس جانب بڑھنے لگے۔ایسا لگ رہا تھا کہ آواز نے اُن دونوں کو مسمرائز کر دیا ہے اور وہ اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھے ہیں۔راہ داری کا موڑ مڑتے ہی انہوں نے مٹی کا ایک بڑا سا چراغ دیکھا، جس میں کسی جانور کی چربی تھی اور اس میں بھیگی ہوئی بتی سلگ رہی تھی۔ ناگوار بو چربی کے جلنے کی تھی۔ چراغ کی روشنی میں اُن دونوں کے لرزتے ہوئے بڑے بڑے سائے دیوار پر بن رہے تھے ۔پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر ایک کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا، اس میں سے نکلنے والی روشنی دیوار پر پڑ رہی تھی۔

ایک خوف ناک بات یہ تھی کہ باہر سے دیکھنے پر یہ مکان زیادہ سے زیادہ تین کمروں کا لگتا تھا، مگر اندر آنے کے بعد انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ مکان بہت بڑے محل میں تبدیل ہو گیا ہے۔ انہوں نے اب تک راہ داری میں بلاشبہ بارہ تیرہ کمرے دیکھے تھے۔دونوں کھلے ہوئے دروازے کی پاس پہنچے اور جھانک کر اندر دیکھا۔

اندر کا منظر دل دہلا دینے والا تھا۔

اندر کئی جگہوں پر بڑے بڑے چراغ روشن تھے ۔ایک ایزی چیئر پر بوڑھی عورت بیٹھی تھی۔ ایزی چیئر دھیرے دھیرے آگے پیچھے ہل رہی تھی۔ بڑھیا کے ہاتھوں میں ایک بڑا سا پنجرہ تھا، جس میں چھوٹے چھوٹے بہت سے پرندے قید تھے۔ بڑھیا کی گنگناہٹ اب بھی سنائی دے رہی تھی۔انہیں یوں لگا جیسے بڑھیا اُن ننھے ننھے پرندوں کو لوری سنا رہی ہے۔اب انہیں پرندوں کی ہلکی ہلکی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔وہ بے چینی کے عالم میں پنجرے میں اُڑ رہے تھے۔یہ تمام منظر اتنا بھیانک تھا کہ اُن کی ریڑھ کی ہڈیوں میں سنسناہٹ دوڑ رہی تھی۔

اچانک بڑھیا کی لوری رُک گئی۔کرسی بھی ہلتے ہلتے ساکت ہو گئی ۔پھر بڑھیا کی آواز دوبارہ گونجی۔''واہ...... واہ......آج کئی سال کے بعد اس مکان میں اجنبی قدم آئے ہیں......اس مرتبہ لمبا انتظار کرنا پڑا مجھے...... چلو بچو......اب آ جاؤ اندر۔''

اس کے الفاظ ٹیپو اور مانی کی سماعتوں پر بم کی طرح پھٹ گئے۔اُن کی سانسیں ہی رُک گئیں۔ دہشت کی زیادتی سے اُن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ۔قدم اُٹھانا اُن کے بس میں نہیں رہا تھا۔

''آ بھی جاؤ اب......'' بڑھیا کی شیطانی آواز پھر سنائی دی۔ اس کا واضح مطلب تھا کہ بڑھیا اُن کی آمد اور یہاں موجودگی سے

باخبر ہے۔ ٹیپو کا پورا چہرہ پسینے میں شرابور تھا۔ اس نے لرزتے ہوئے کمرے میں جھانکا تو حیرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ بڑھیا غائب تھی جب کہ خالی ایزی چیئر ہلکے ہلکے آگے پیچھے جھول رہی تھی۔ پرندوں کا پنجرہ نزدیکی میز پر رکھا ہوا تھا، جس میں اُن ننھے ننھے پرندوں نے کافی شور مچا رکھا تھا۔ دفعتاً اسے بڑھیا کی مکروہ ہنسی سنائی دی۔ آواز اوپر سے آئی تھی۔ ٹیپو نے چہرہ اُٹھا کر اوپر اُٹھایا تو اپنی زندگی کا سب سے ہول ناک منظر دیکھا۔

بڑھیا کمرے کی چھت پر ہاتھ پیروں کی مدد سے چھپکلی کی طرح چپکی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ خوف ناک انداز میں ہنسی۔ پھر فرش پر ایسے کودی، جیسے راہ داری میں اوپر سے چھپکلی اُن کے سامنے گری تھی۔ دہشت اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ یک بہ یک ایک خیال نے ٹیپو کو حرکت کرنے پر مجبور کر دیا کہ اگر ابھی نہ بھاگے تو یہ دوزخ کی بلا انہیں ختم کر ڈالے گی۔

''بھاگ مانی......'' ٹیپو حلق پھاڑ کر چلایا اور ساتھ ہی پلٹ کر راہ داری میں جان توڑ کر بھاگا۔ مانی کو بھی گویا ہوش آ گیا، اُس نے ٹیپو کے تعاقب میں دوڑ لگا دی۔ وہ اس سے پہلے کبھی اتنی تیز نہیں بھاگے تھے۔ جان کا خوف انہیں بھگا رہا تھا۔ تب بھاگتے ہوئے اُن پر یہ روح ٹھٹھرا دینے والا انکشاف ہوا کہ راہ داری طویل ہوتی جا رہی تھی اور اس کا سرا نظر نہیں آ رہا تھا۔ جب کہ آتے ہوئے وہ زیادہ لمبی نہیں تھی۔ بڑھیا کی بدروح جیسی ہنسی اُن کا تعاقب کر رہی تھی۔ آخر ایک جگہ وہ دونوں بے دم ہو کر گر پڑے اور ہانپتے کانپتے اپنی موت کا انتظار کرنے لگے۔ خوف کی شدت نے ان کے بدنوں سے سارا خون نچوڑ لیا تھا۔

انہیں اپنے سامنے آہٹ سنائی دی۔ انہوں نے سر اُٹھا کر دیکھا تو آسیبی بڑھیا ان کے سامنے کھڑی شعلہ بار آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

......☆......

''اس مکان میں تو کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے۔'' انسپکٹر وقار خالد نے گہری نظروں سے بوڑھے اور بڑھیا کی طرف دیکھا۔ پھر کمرے کی بوسیدہ دیواروں کو گھورنے لگا۔ مکان میں صرف تین چھوٹے چھوٹے کمرے سے تھے۔ وہ ایک عام گھریلو سا مکان تھا۔

انسپکٹر وقار خالد آج آفس آئے ہی تھے کہ اُن کو خبر دی گئی کہ سمن آباد کے دو بچے ٹیپو اور مانی گم ہو گئے ہیں۔ وہ سمن آباد تفتیش کے لیے آئے تو ٹیپو اور مانی کے گھر والوں نے بتایا کہ آخری مرتبہ کل شام اُن کو گلی کے اُس کونے والے مکان کے پاس دیکھا گیا تھا۔ اُن کے ساتھ دو کانسٹیبل بھی تھے۔ انہوں نے محلے کے چند لوگوں کو لیا اور اُس مکان کی تلاشی لینے آ گئے۔ لیکن انہیں اُس مکان میں کچھ بھی نہ ملا۔

''ٹھیک ہے ماں جی! ہمارا اطمینان ہو گیا ہے۔ محلے والے بے کار میں آپ پر شک کر رہے تھے۔'' انسپکٹر صاحب بوڑھے اور بڑھیا سے مخاطب ہوئے۔ ''ویسے میں نے سنا ہے، آپ کی اپنی کوئی اولاد نہیں ہے؟'' انسپکٹر وقار خالد نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

''آپ سے کس نے کہہ دیا...... یہ رہے ہمارے بچے۔'' بڑھیا نے پنجرے کی طرف اشارہ کیا، جس میں موجود پرندوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔

......☆......

''انسپکٹر انکل...... انسپکٹر انکل! ہم یہاں ہیں۔ پلیز ہمیں نکالیں...... اس جادوگرنی نے ہمیں یہاں قید کر کے رکھا ہے۔'' ٹیپو اور مانی چلائے۔

''اوہ، اچھا...... ٹھیک ہے۔'' انسپکٹر نے پنجرے میں قید پرندوں کی طرف ایک نگاہ ڈالی۔ ''چلو بھئی کہیں اور تلاش کرتے ہیں، یہ بچوں کے اغوا کی واردات بھی بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔'' انسپکٹر نے کانسٹیبل کو اشارہ کیا اور جانے کے لیے دروازے کی طرف مڑے۔

''انسپکٹر انکل پلیز! ہمیں اس آسیبی بڑھیا کے پاس چھوڑ کر مت جاؤ۔'' ٹیپو گلا پھاڑ کر چلایا۔

''لگتا ہے، بچوں کو بھوک لگی ہے۔'' بوڑھے نے پہلی بار زبان کھولی۔

''تم دروازہ بند کر کے آؤ۔ میں انہیں دانا دیتی ہوں۔'' بڑھیا کی بات پر بوڑھے نے اثبات میں سر ہلایا اور کمرے سے نکل گیا۔

انسپکٹر اور اس کے ساتھیوں کے جانے کے بعد بڑھیا کا خوف ناک قہقہہ کمرے میں گونجا۔ ''ہاہا...... ہاہا...... ہاہا...... اب تم یہاں سے کہیں نہیں جا سکو گے اور یہاں کوئی نہیں آئے گا...... میرے بچو۔''

☆☆☆

پیارے بچو! پہاڑ خان ایک بہت بڑے جواہرات کے شوروم کا چوکی دار تھا۔ صبح ہی صبح شوروم کے مالک کے فون کی گھنٹی بجی۔ مالک نے فون سنا تو اسے بہت بری خبر ملی کہ ان کے جواہرات کے شوروم پر ڈکیتی کی واردات ہوئی ہے۔ مالک اپنے شوروم پر پہنچے تو دیکھا کہ ڈاکو سارا زیور لوٹ کر لے گئے ہیں۔ چوکی دار بھی غائب تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ڈاکوؤں نے چوکی دار کو مارا پیٹا اور شوروم کی چابیاں لے کر سارا سامان لوٹ لیا۔

شوروم کے مالک نے پولیس افسر طاہر کو اطلاع دی۔ انسپکٹر طاہر نے تفتیش شروع کی۔ کچھ دنوں کے بعد چوکی دار پہاڑ خان پولیس اسٹیشن حاضر ہوا۔ وہ زخمی حالت میں تھا۔ اس نے بیان دیا۔ ''ڈاکو ایک سرخ رنگ کی اسپورٹس کار میں آئے۔ اسے مارا پیٹا اور شوروم کی چابیاں لیں، پھر اس کے منہ پر کپڑا ڈال کر کار کی ڈگی میں ڈالا۔ نجانے وہ مجھے کہاں لے گئے، مجھے معلوم نہیں۔ انسپکٹر نے چوکی دار کا بیان قلم بند کیا۔ انسپکٹر طاہر نے مسکرا کر کہا کہ فکر نہ کرو، ہم نے اس گروہ کا ایک رکن تو گرفتار کر لیا ہے، بقیہ ملزمان کو بھی جلد گرفتار کر لیں گے۔

پیارے بچو! آپ نے کبھی اسپورٹس کار دیکھی ہے؟ جن بچوں نے اسپورٹس کار کو غور سے دیکھا ہے تو وہ فوراً ہی سمجھ جائیں گے کہ ملزم کون ہے۔ تو آپ بھی بن جائیے جاسوس اور ڈھونڈ نکالیے ان ڈاکوؤں کو۔
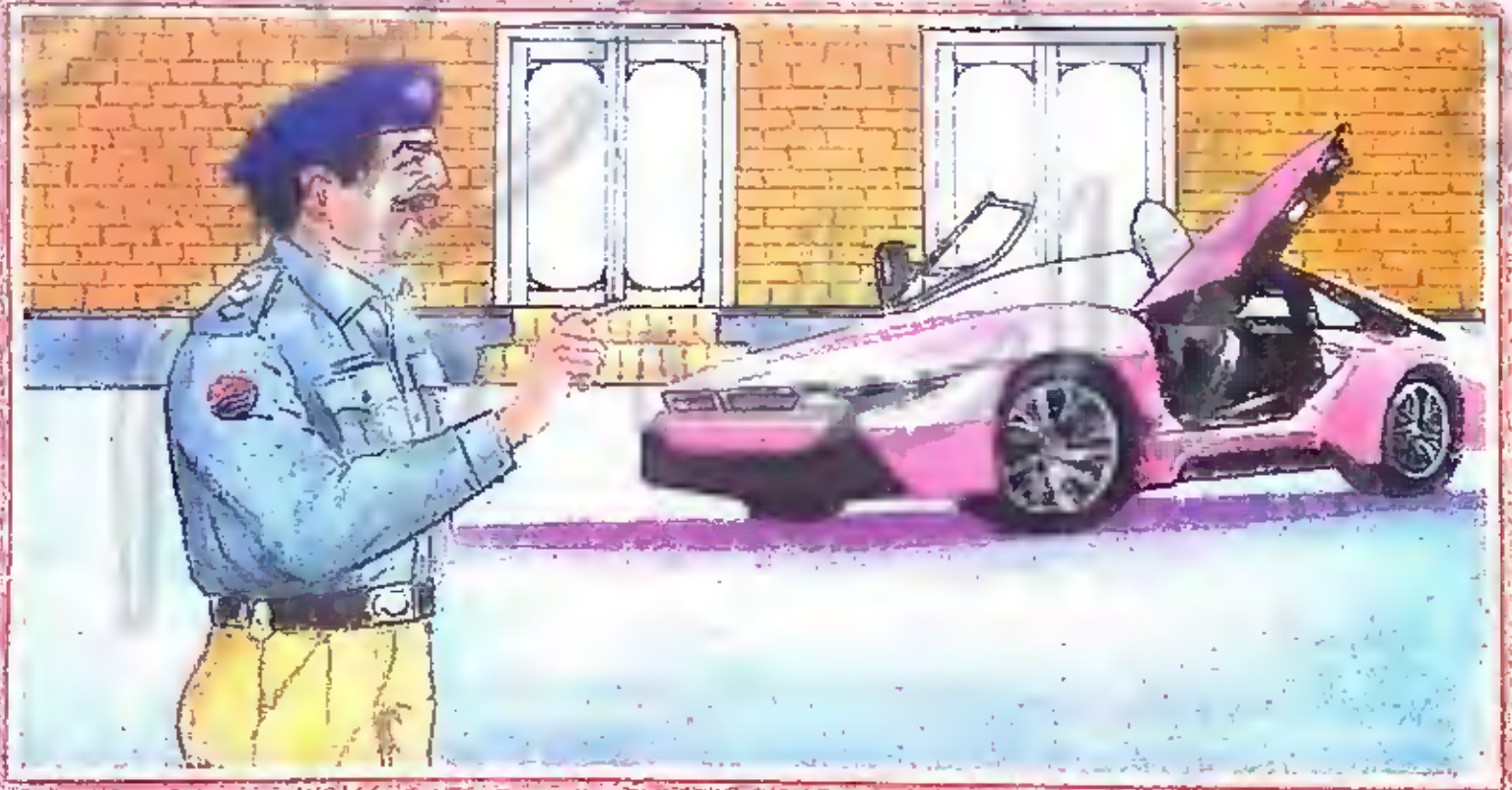
دسمبر 2015ء کے کھوج لگائیے کا جواب ہے: ''حقہ۔''

دسمبر 2015ء کے کھوج لگائیے میں قرعہ اندازی کے ذریعے درج ذیل بچے انعام کے حق دار قرار پائے ہیں:

1- ملک فرحان، ڈیرہ اسماعیل خان
2- محمد مدثر صدیق، کراچی
3- ماریہ نوید، فیصل آباد
4- عائشہ بی بی، ہری پور
5- واجد اسلم، کبیر والا

ک	ف	ض	پ	ع	د	ش	ج	ط	ڑ
ظ	ژ	ے	ء	ل	ی	ح	د	ر	ت
د	س	ا	ح	م	د	ق	ٹ	ن	ض
ق	ب	ڑ	و	ب	ش	ف	ی	ص	ل
ل	ا	ل	ب	ش	ن	ڑ	غ	ژ	و
ص	چ	ہ	ڈ	ی	ع	گ	د	ف	ع
ل	ذ	ٹ	ء	ر	ظ	ت	ی	م	د
ی	ع	ز	ی	ز	ق	ح	ء	گ	ن
د	ک	ص	غ	ن	خ	ف	ا	ق	ا
ع	ث	ل	م	ک	ا	ذ	ج	ر	ن

آپ نے حروف ملا کر دس نام تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان ناموں کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن ناموں کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں:

احمد، عدنان، اکمل، بشیر، عزیز، روحیل، فیصل، بلال، جاوید، عدیل

مطالعہ کیسے کریں؟

ڈاکٹر ہیرلڈ ایم۔ ہیپرڈ نے اپنی کتاب "بینائی مدسوں کے بغیر" میں مطالعے کے بارے میں چند نہایت ہی نفیس باتیں کہی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ بہت سے لوگ مطالعے کی خراب عادتیں ڈال لیتے ہیں۔ مثلاً: کتاب کو بہت قریب یا بہت دور رکھنا۔ جسم میں کھچاؤ، تناؤ اور بے چینی، بے آرامی کی حالت میں پڑھنا۔ مثال کے طور پر ایسی حالت میں جب کہ سر آگے کو لٹک رہا ہو اور کندھے کھچے ہوئے ہوں۔ بہت زیادہ یا ناکافی روشنی میں پڑھنا۔ تھکاوٹ یا بیماری کی حالت میں پڑھنا۔ غنودگی کے عالم میں پڑھنا۔ دھندلی اور خراب چھپی ہوئی عبارت پڑھنا۔ ادھ کھلی یا ترچھی آنکھوں سے پڑھنا۔ رنگین اور چمکدار کاغذ پر چھپی ہوئی عبارت کو پڑھنا۔ چلتی ہوئی ٹرین، بس یا کار وغیرہ میں پڑھنا۔

ڈاکٹر ہیپرڈ کا یہ مشورہ ہے کہ اگر آپ قاعدے سے مطالعہ کریں گے تو آپ کی بصارت محفوظ رہے گی۔ اس نے مطالعے کے لیے سات طریقے مقرر کیے ہیں:

1- بالکل سیدھے ستانے کی حالت میں بیٹھیں۔

2- سر بھی تقریباً سیدھا ہونا چاہیے۔

3- کتاب آنکھوں سے 14 یا 16 انچ کے فاصلے پر رہے۔

4- ہر سطر پڑھنے کے بعد دو تین بار آنکھیں جھپکیں۔

5- روشنی مناسب ہونی چاہیے۔ نہ کم، نہ بہت زیادہ۔

6- ہر الفاظ پر اچٹتی ہوئی نظر نہ ڈالیں۔ اس سے آنکھوں میں کھچاؤ پیدا ہوتا ہے۔ جلدی جلدی پڑھنا بھی آنکھوں کے لیے ضرر رساں ہے۔ اس سے کوئی نہ کوئی تکلیف پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی پیراگراف دل چسپ نہ ہو تو چھوڑ کر دوسرا پیراگراف پڑھیں۔ اچٹتی نظر سے پڑھنا اس لیے نقصان دہ ہے کہ آنکھ فوکس کرنے کی استعداد کھو دیتی ہے اور نتیجے میں آنکھیں دھندلا جاتی ہیں۔

7- بیماری اور تھکاوٹ کی حالت میں ہرگز نہ پڑھیں۔ اس سے آنکھوں پر زور پڑتا ہے۔

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 جنوری 2016ء ہے۔

کھوج لگایئے

نام ______

شہر ______

مکمل پتا: ______

موبائل نمبر: ______

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 جنوری 2016ء ہے۔

دماغ لڑاؤ

نام ______

مقام ______

مکمل پتا: ______

موبائل نمبر: ______

جنوری کا موضوع: "عید میلاد النبی" ارسال کرنے کی آخری تاریخ 08 جنوری 2016ء ہے۔

ہونہار مصور

نام ______ عمر ______

مکمل پتا: ______

موبائل نمبر: ______

میری زندگی کے مقاصد

کوپن پر کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام ______ شہر ______

مقاصد ______

موبائل نمبر: ______

دو گھنٹے کی مسافت طے کرنے، شور د آلودگی کو بہت پیچھے چھوڑنے کے بعد گاڑی اب گاؤں کے پُرسکون ماحول کی طرف بڑھنے لگی تھی۔ ''امی جان! دادی جان کے پاس پہنچنے میں کتنی دیر باقی ہے۔'' زین نے بے چینی سے پوچھا۔ ''بس بیٹا! دس سے پندرہ منٹ میں ہم لوگ پہنچ جائیں گے۔'' امی نے پیار سے زین کا گال تھپتھپاتے ہوئے جواب دیا۔ ''پھر کل صبح تک چاند میرے پاس ہو گا۔'' زین نے خوش ہوتے ہوئے کہا تو امی، ابو ہنس پڑے۔

زین دوسری جماعت میں پڑھتا تھا، بلا کا ضدی اور شرارتی تھا۔ اکلوتا ہونے کی وجہ سے امی، ابو اس کی ہر خواہش فوراً پوری کر دیتے اور اگر کبھی اس کی کوئی فرمائش یا خواہش پوری کرنے میں امی، ابو دیر کر دیتے تو دادی جان اس کی سفارش کر دیتیں۔

چند دن سے اس نے ضد شروع کر رکھی تھی کہ اسے آسمان سے چاند اُتار کر دیا جائے، امی، ابو نے سمجھانے کی کوشش کی کہ چاند حاصل کرنا ناممکن ہے مگر بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ زین کو یقین تھا کہ دادی جان ہمیشہ کی طرح اس کی یہ خواہش ضرور پوری کر دیں گی۔ امی، ابو کو بھی معلوم تھا کہ اس عجیب فرمائش کے ... پر صرف دادی ہی زین کو سمجھا سکتی ہیں، اس لیے وہ زین کے ہی کہنے پر اسے گاؤں میں مقیم دادی جان کے پاس لے کر جا رہے تھے۔

تایا ابو کا خاندان، دادا، دادی اور بہت سے نوکر چاکر، گاؤں کے بڑے سے گھر کی یہ چہل پہل زین کو بہت پسند تھی کیوں کہ یہاں کھیلنے کے لیے جگہ شہر کی نسبت زیادہ تھی۔ زین دادی جان کے پاس پہنچتے ہی اپنی فرمائش (چاند لینے کی) انہیں بتا چکا تھا اور دادی جان نے ہمیشہ کی طرح ہاں میں سر ہلا کر اس کی یہ فرمائش بھی پوری کرنے کی ہامی بھر لی تھی۔

دن بھر کزنز اور گاؤں کے دیگر بچوں کے ساتھ کھیل کود اور گپ شپ میں زین اگرچہ کافی تھک چکا تھا مگر ساتھ ہی یہ سوچ کر کہ شام ہو چکی ہے، کچھ ہی دیر میں رات ہو جائے گی اور پھر چاند اس کا ہو جائے گا۔

''امی جان! یہ آپ نے زین کو کیا کہہ دیا ہے کہ چاند اسے مل جائے گا اب آپ کیسے بہلائیں گی اسے؟'' زین کے پاپا نے دادی جان سے کہا۔

''دیکھو بیٹا! بچوں سے بعض اوقات ایسی عجیب اور ناممکن خواہش کرنے کی غلطی ہو جاتی ہے، اس صورت حال میں انہیں ان

کی ہی سمجھ اور عمر کے مطابق بات سمجھائی جاتی ہے۔ آج جو بات میں زین کو سمجھاؤں گی اس کے بعد وہ ایسی تو کیا، کوئی بھی ضد کرنا چھوڑ دے گا۔'' دادی جان نے پاپا کو بتایا تو پاپا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

رات گہری ہو چکی تھی مگر چاند کی روشنی میں سب کچھ واضح نظر آ رہا تھا۔

''چلیں دادی! چاند کو اُتارنے؟'' زین نے دادی جان کی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ''دیکھو زین بیٹا! چاند رات کے وقت روشنی کرتا ہے تاکہ رات کے وقت سفر کرنے والے اور راہ گیر اپنا راستہ آسانی سے تلاش کر سکیں۔ انسانوں ہی نہیں بلکہ جانوروں کے لیے بھی روشنی ضروری ہوتی ہے جنگل میں رہنے والے جانور رات کو شکار کی تلاش میں جاتے ہیں تو وہ اندھیرے میں دیکھنے کے لیے چاند کی روشنی استعمال کرتے ہیں۔ جہاں تک چاند کو اُتارنے کی بات ہے تو بیٹا یہ ہمیں زمین سے چھوٹا نظر آتا ہے، پاس جائیں تو کافی بڑا ہے آپ سے اُٹھایا نہیں جائے گا۔'' دادی جان نے زین کو سمجھایا۔ ''یعنی اگر میں چاند کو اُتار لوں تو بہت سے انسانوں اور جانوروں کا نقصان ہو جائے گا؟'' زین کو بات سمجھ میں آ گئی تھی۔

''بالکل۔'' دادی جان بولیں۔ ''مطلب یہ کہ یہ اچھی والی فرمائش نہیں ہے۔'' زین نے معصومیت سے پوچھا۔ ''نہیں بیٹا! بالکل بھی اچھی فرمائش نہیں ہے۔'' دادی جان نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''امی، ابو کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ غلط فرمائش اور ضد کرتا ہوں، کیا ایسا ہی ہے؟'' زین نے پوچھا۔

''بعض معاملات میں تو ایسا ہی ہے بیٹا، جیسے آپ نے جب کمپیوٹر لینے کی ضد کر دی تو کمپیوٹر لا تو گیا آپ کو مگر ٹھیک سے آپ اس کے بارے ابھی تک نہیں جان پائے کیوں کہ ابھی آپ چھوٹے ہیں، پھر سائیکل کی ضد تب کی جب آپ کی ٹانگیں پیڈلز تک پوری نہیں آتی تھیں اور پھر وہ سائیکل ابھی تک ویسی کی ویسی پڑی ہے، آپ نے چلائی نہیں۔ ان سب کی فرمائش کرنا بالکل غلط تھا۔'' دادی جان نے جواب دیا۔ ''میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں دادی جان کہ میں آئندہ کبھی کوئی غلط فرمائش نہیں کروں گا۔ امی، ابو کو خواہ مخواہ تنگ نہیں کروں گا اور چاند کی فرمائش تو بڑے ہو کر بھی نہیں کروں گا کیوں کہ اگر چاند میرے پاس آ گیا تو بہت سے انسان اور جانور اپنا کام اندھیرے میں نہیں کر پائیں گے۔'' زین نے دادی کے بازو پر سر رکھتے ہوئے وعدہ کیا تو دادی جان اس میں آنے والی اچھی تبدیلی پر مسکرا دیں۔

......☆......

کھوج لگانے میں حصہ لینے والے بچوں کے نام

عبدالسلام، صوابی۔ حمزہ اختر، راولپنڈی۔ عبیداللہ صدیقی، وہاڑی۔ عائشہ عاطف، لاہور۔ ہادیہ حق، راولپنڈی۔ اقراء یعقوب، قصور۔ عائشہ ظفر، رحیم یار خان۔ کشف طاہر، لاہور۔ سمیرا شوکت، گوجرانوالہ کینٹ۔ عثمان علی بھٹی، لاہور۔ وجیہہ خلیل، گوجرانوالہ۔ لاریب ممتاز، لاہور۔ بلال صفدر، ساہی وال۔ محمد مظفر قریشی، لاہور۔ محمد اسحاق، پشاور۔ عروج جمشید، لاہور۔ رداء اقبال کھوٹ، راولپنڈی۔ حافظ حامدہ ذوالقرنین، بہاول پور۔ علینا اختر، کراچی۔ اقراء یعقوب، الہ آباد۔ لبیق عبداللہ، لاہور۔ عنبر فاطمہ دختر حاجی عبدالقیوم، ننکانہ صاحب۔ صفاء الماس خان، اسلام آباد۔ جلیل احمد، گجرات۔ سیدہ عنبرین بخاری، لاہور۔ خدیجہ نعیم، لاہور۔ محمد عمر، واہ کینٹ۔ احمد بن عاصم، راولپنڈی۔ نعمان شکیل، لاہور۔ محمد حسن ندیم، کراچی۔ مبشر رشید، راولپنڈی۔ محمد متین امجد، راولپنڈی۔ آمنہ ذیشان، ام کلثوم، پتوکی۔ محمد احمد، ڈیرہ غازی خان۔ فائزہ رزاق، خانیوال۔ خنساء کاشف، کراچی۔ محمد عثمان علی، لاہور۔ حافظ محمد دانیال، شاہین مغل، بھکر۔ محمد حسنین، حسن ابدال۔ ناظرہ مقدس، شرقپور۔ مومنہ قاضی، راولپنڈی۔ محمد حنان احمد، لاہور۔ محمد عثمان خالد، لاہور۔ منتہیٰ شیخ محمد عاطف، اوکاڑہ۔ زائش خورشید، ایبٹ آباد۔ محمد شوال خان، اوکاڑہ۔ حمزہ عبداللہ، لاہور۔ سیفی مجاہد حسین، ساہی وال۔ حبیب الرحمٰن، ننکانہ صاحب۔ رداء فاطمہ فریال، راولپنڈی۔ علی عبداللہ قیوم، ننکانہ صاحب۔ نجم الصباح ازل، میانوالی۔ سندس آسیہ، کراچی۔ محمد حمزہ، لغاری، میانوالی۔ مریم جاوید، مظفرآباد آزاد کشمیر۔ شہزادی خدیجہ شفیق، لاہور۔ عبدالرحمٰن رزاق، شیخوپورہ۔ سیدہ سعدیہ نفیس، گوجرانوالہ۔ سید محمد عثمان نفیس، گوجرانوالہ۔ مقدس چوہدری، راولپنڈی۔ بلال احمد، لاہور۔ ایمن فاطمہ، ملتان۔ دانیا شیرازی، اسلام آباد۔ بارزہ حنیف، بہاول پور۔ عنبر غامد اصغر، لاہور۔ حمزہ سہیل، لاہور۔ تیمور ذوالفقار، لاہور کینٹ۔ محمد عمیس خان، ڈیرہ غازی خان۔ عبدالجبار روحی انصاری، لاہور۔ طلحہ محمود ملک، لاہور۔ زدمیرہ ہارون، نوشہرہ۔ محمد طلحہ زاہد، اسلام آباد۔ اشعال فاطمہ، راولپنڈی۔ محمد عادل اسلام، گوجر خان۔ سمیہ تنویر، کراچی۔ شاہ زیب علی، سرگودھا۔

چوہدری خالد ظہر کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلے۔ اپنا موبائل فون آن کیا اور اپنی دُکان کی طرف چل پڑے۔ شہر کے مرکزی بازار میں واقع ان کی دُکان "الخالد کلاتھ" کپڑے کی ہر طرح کی ورائٹی کے لیے مشہور، ایک بہت بڑی دُکان تھی۔ ان کی عادت تھی کہ مسجد میں داخل ہوتے ہی اپنا موبائل فون بند کر دیتے تھے۔ ابھی وہ اپنی دُکان تک نہیں پہنچے تھے کہ ان کے موبائل فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ دوسری طرف ان کے بچپن کے دوست ارشد ندیم تھے جن کا اپنا کنسٹرکشن کا کاروبار تھا۔ دونوں دوستوں میں ایک قدر مشترک تھی، اور وہ تھی ان کی ان تھک محنت۔ اسی محنت کی بدولت آج ان کا شمار شہر کے متمول لوگوں میں ہوتا تھا۔ انہوں نے السلام علیکم کہہ کر کال ریسیو کی۔

"اخاہ! جناب کو بڑے دنوں بعد ہماری یاد آ ہی گئی۔" چوہدری خالد کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"یاد تو انہیں کیا جاتا ہے جو بھول چکے ہوں اور تم تو میرے دل میں رہتے ہو۔" ارشد ندیم نے بڑی خوب صورتی سے ان کی شکایت کا ازالہ کر دیا تھا۔

"باتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں....." اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتے ارشد ندیم نے ان کی بات کاٹ دی۔

"چھوڑو یار! مجھے بتاؤ دُکان پر ہی ہو۔ میرا مطلب ہے کہ کہیں جانا تو نہیں۔

"نہیں، میں دُکان پر ہی ہوں۔ خیریت ہے نا؟" چوہدری خالد کا انداز سوالیہ تھا۔

"میں تمہاری طرف آنا چاہ رہا تھا، سوچا پہلے پتا کر لوں۔" ارشد ندیم نے فون کرنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا۔

"خوش آمدید! جناب، ست بسم اللہ....." اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتے ارشد ندیم نے ایک بار پھر ان کی بات کاٹ دی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو یقیناً انہیں کچھ مزید خیر مقدمی فقرے سننے کو ملتے۔

"ٹھیک ہے، میں تھوڑی دیر تک پہنچتا ہوں۔ کھانا تمہارے ساتھ ہی کھاؤں گا۔ اللہ حافظ!"

انہوں نے فون رکھا ہی تھا کہ ساتھ والی دُکان پر کام کرنے والا لڑکا عارف آ گیا۔ عارف، عبدالخالق صاحب کی گارمنٹس کی دُکان پر سیل بوائے تھا۔ وہ خالد صاحب سے کمیٹی لینے آیا تھا۔ ہر بازار کی طرح اس بازار کے تاجر بھی روزانہ کی بنیاد پر کمیٹی ڈالتے تھے اور مہینے بعد قرعہ اندازی ہوتی تھی۔ قرعہ اندازی کے لیے مہینے کی دسویں تاریخ مختص تھی اور آج اتفاق سے دس تاریخ تھی۔ خالد صاحب کو یاد آیا کہ ان کی چار دنوں کی رقم کم تھی اور پچھلے تین چار دنوں سے وہ عبدالخالق صاحب کو، جو کمیٹی کے منتظم بھی تھے، یہی کہہ رہے تھے کہ وہ تو تاریخ تک اپنی بقایا چاروں کمیٹیاں دے دیں گے۔

''آج قرعہ اندازی ہے اور حاجی صاحب کہہ رہے ہیں کہ چوہدری صاحب سے کمیٹی کی رقم لے آؤ۔'' عارف نے اپنے آنے کا مدعا بیان کرتے ہوئے کہا۔

''جاؤ بھئی، حاجی صاحب سے کہہ دو کہ مغرب کے بعد، قرعہ اندازی سے پہلے پہنچا دوں گا۔'' چوہدری خالد نے پیچھا چھڑانے والے انداز میں کہا تو عارف چپ چاپ چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ارشد ندیم بھی آن پہنچے۔ خالد صاحب نے ان کا والہانہ استقبال کیا۔ دونوں دوستوں کی ملاقات کافی عرصے بعد ہو رہی تھی، اس لیے دونوں ہی پُرجوش تھے۔ کھانا انہوں نے اکٹھے ہی کھایا جس کا انتظام خالد صاحب نے دُکان پر ہی کیا تھا۔ کھانے کے بعد گپ شپ کا ایک دور چلا جس میں انہوں نے گھریلو اور کاروباری معاملات پر سیر حاصل گفتگو کی۔ سیاست دونوں دوستوں کا مشترکہ موضوع تھا، لہٰذا یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اکٹھے ہوں اور سیاست پر گفتگو نہ ہو۔ عصر تک دونوں دوست ساتھ رہے۔ چلتے وقت ارشد ندیم دل کی بات زبان پر لے ہی آئے۔

''خالد یار، تم نے مجھے اس مہینے کچھ رقم لوٹانی تھی، اگر سہولت ہو تو دیکھ لو۔ میں نے ایک پلاٹ خریدا ہے۔ جس کی ادائیگی کرنی ہے۔''

خالد صاحب کو یاد آیا کہ انہوں نے سال پہلے ارشد سے دو لاکھ روپے اپنی کاروباری ضرورت کے لیے، لیے تھے اور سال بعد واپسی کا وعدہ کیا تھا۔ سال پورا ہو چکا تھا مگر وہ اپنے دوست کو رقم لوٹا نہیں سکے تھے۔

''سوری یار! میرے ذہن سے بالکل نکل گیا تھا۔ میں نے کچھ دن پہلے ہی فیصل آباد سے سردیوں کا کپڑا منگوایا ہے۔ تم کچھ دن اور صبر کرو، دو مہینے تک دے دوں گا۔''

''کوئی بات نہیں، تمہیں جب سہولت ہو دے دینا، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اٹھو عصر کی نماز پڑھ لیں۔'' ارشد ندیم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

عصر کی نماز پڑھنے کے بعد ارشد ندیم مسجد سے ہی اپنی راہ ہو لیے اور خالد صاحب اپنی دُکان پر واپس آ گئے۔ مغرب سے کچھ دیر پہلے بارہ تیرہ سال کا ایک لڑکا ان کی دُکان پر سیدھا ان کی طرف آیا۔ اس کے سر پر پٹی بندھی تھی اور دایاں بازو بھی زخمی تھا جو گلے میں پڑا تھا۔

''السلام علیکم! خالد انکل، میں نجیب ہوں، میری امی نے آپ سے کچھ پیسے لیے تھے وہ لوٹانے آیا ہوں۔'' نجیب نے ایک لفافہ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

خالد صاحب کو یاد آیا کہ کچھ عرصہ پہلے نجیب کی امی نے اپنی ضرورت کے لیے ان سے پانچ ہزار روپے لیے تھے۔ نجیب کے والد کی ناگہانی وفات کے بعد، اس باہمت خاتون نے اپنی مدد آپ کے تحت، بچوں اور بچیوں کے ملبوسات تیار کرنے کا کام شروع کر دیا تھا۔ وہ بازار سے کپڑا لے جاتیں اور گھر پر ملبوسات تیار کر کے بازار پہنچا دیتیں۔ چوں کہ ان کی رہائش بازار کے عقبی طرف رہائشی علاقے میں تھی، اس لیے خالد صاحب اور اس بازار میں کپڑے کے دوسرے تاجر ان سے اچھی طرح واقف تھے اور ان کے حوصلے اور ہمت کی وجہ سے ان کی ہر ممکن مدد کے لیے تیار رہتے تھے۔ نجیب اب آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔

''ارے بھئی، آپ کو کون نہیں جانتا نجیب میاں، مگر یہ بتاؤ تمہیں چوٹیں کیسے آئی ہیں؟ اس زخمی حالت میں کیا ضرورت تھی آنے کی۔ ارے بھئی، آ جاتے پیسے بھی۔'' خالد صاحب نے اس کے ہاتھ سے لفافہ لیتے ہوئے کہا۔

''انکل! مجھے آج اسکول میں فٹ بال کھیلتے ہوئے چوٹیں آئی ہیں۔ میں نے بھی امی سے یہی کہا تھا کہ دو دن بعد لوٹا دیں گے، کوئی ایمرجنسی تو نہیں مگر امی کہتی ہیں کہ میں نے خالد بھائی سے دس تاریخ کا وعدہ کیا تھا۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو وعدہ پورا نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔'' نجیب کی یہ بات سن کر خالد صاحب کے چہرے کا رنگ یک لخت تبدیل ہو گیا۔ نجیب ان کی حالت سے بے خبر اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھا۔ ''اور انکل، امی کہتی ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے منافق کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ بھی بتائی ہے کہ وہ اپنا وعدہ پورا نہیں کرتا۔ اس لیے ایک اچھے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے۔ اس لیے مجھے زخمی حالت میں آنا پڑا۔''

خالد صاحب کی حالت یہ تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ ایک بچے کے سامنے وہ اپنے آپ کو بہت چھوٹا سمجھ رہے تھے۔ دل ہی دل میں انہوں نے اللہ سے معافی مانگی اور اپنے سیل بوائے ساجد کو رقم گن کر دی کہ جاؤ عبدالخالق صاحب کو دے آؤ۔ ساتھ ہی انہوں نے ارشد ندیم کا نمبر ملا دیا۔ ایک چھوٹے سے بچے کی باتوں نے آج انہیں وہ سبق یاد دلا دیا تھا جس کو وہ نادانستہ بھولے ہوئے تھے۔

......☆......

آپ بھی لکھیے

بازیچۂ اطفال
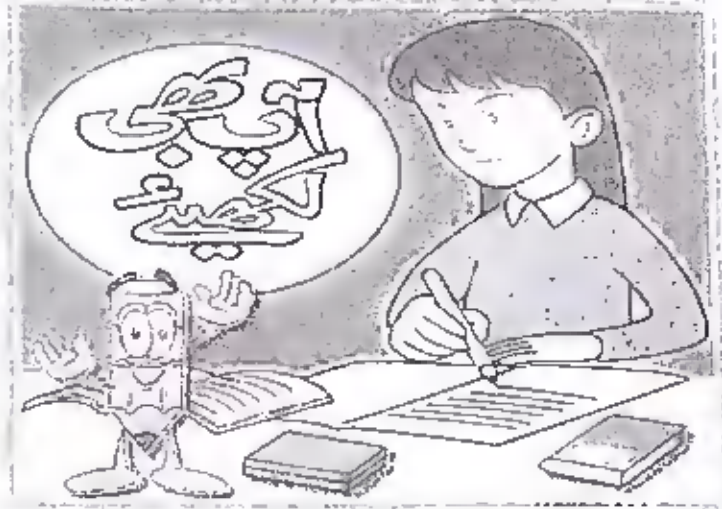
(عفنان احمد خان، کراچی)

بارش کے بعد ''ہاشمی منزل'' کے لان میں بہار کا سماں تھا۔ پتے دھل چکے تھے۔ ہری بھری گھاس تھی۔ چرند پرند اپنی سریلی آواز میں چہچہا رہے تھے۔ اس خوب صورت موسم میں میں چائے کا کپ تھامے لان میں آ گیا۔ مجھے بچپن ہی سے فطرت سے پیار ہے۔ میں لان کے وسط میں بیٹھا چائے کے گھونٹ کے ساتھ موسم کو اپنے اندر اُتارنے لگا۔

آج کافی دنوں کے بعد بارش ہوئی تھی۔ بارش کے بعد ہر کوئی خوش نظر آ رہا تھا۔ گلی میں بچے کشتیاں چلا رہے تھے۔ لان کے کونے میں لگے امرود کے پیڑ پر میرے بیٹے اسد عزیز کے پالتو طوطے بیٹھے تھے۔ میں نے ان کو اشارے سے بلا کر اپنے ہاتھ پر بٹھا لیا۔ اتنے میں بیگم پکوڑے لے آئی اور میں پکوڑوں سے لطف اندوز ہونے لگا۔ ''آج ہم رات کا کھانا باہر کھائیں گے۔'' بیگم نے فیصلہ سنایا۔ ''چلو ٹھیک ہے، تم بھی کیا یاد کرو گی۔'' میں نے فرضی کالر جھاڑتے ہوئے شوخی سے کہا۔ اتنے میں اسد اور عمر بھی آ گئے اور لان ان کی چہچہاہٹ سے گونجنے لگا۔

میں باغ پر ایک طائرانہ نظر ڈال رہا تھا کہ ایک بلبل کہیں سے آ کر آم کے پیڑ پر بیٹھ گئی اور بہار کا مژدہ سنانے لگی۔ میں مسکرا دیا۔ بلبل مجھے جان سے زیادہ پیاری لگتی تھی اور اس موسم میں اس کا نغمہ، یہ تو سونے پر سہاگہ تھا۔

میں موسم کے سحر میں کھویا ہوا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور پیٹتا ہی چلا گیا۔ میرا منہ بن گیا۔ مجھے اس مداخلت پر بہت غصہ آیا۔ مگر پھر میں اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ میرا ارادہ تھا کہ دروازہ بجانے والے کو کھری کھری سناؤں گا۔ میں دروازے پر پہنچا اور دروازہ کھولا۔ وہاں ایک مسکین صورت لڑکا کھڑا تھا۔ عام حالات میں میں اسے یقیناً کچھ نہ کچھ ضرور دیتا مگر مجھے اس کو اس وقت دروازے پر دیکھ کر سخت غصہ آیا اور میں نے زور سے دروازہ بند کر دیا۔ میں ناکوں کی روش پر چلتا ہوا واپس لان میں آ گیا۔

لان میں ابھی قدم رکھا ہی تھا کہ میرا پاؤں پھسل گیا۔ میں دھڑام سے نیچے گر گیا۔ مجھے دنیا گھومتی محسوس ہوئی۔ میں ہمت کر کے اُٹھا اور کرسیوں تک آیا۔ اسد اور عمر اندر جا چکے تھے۔ بلبل بھی خاموش تھی۔ میں بڑی مشکل سے کرسی پر بیٹھا۔ اچانک میری نظر کونے میں پھولوں کے قطعے پر پڑی۔ سب پھول سر جھکائے اداس کھڑے تھے۔ میں حیران ہو گیا کہ یکایک کیا تبدیلی آ گئی کہ لان پر اُداسی چھا گئی۔ اب ہوا بھی بند ہو گئی تھی۔ لان میں میرا دم گھٹنے لگا۔ نجانے کس کی نظر لگ گئی تھی۔ میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک مجھے اس بچے کا خیال آیا۔ ''اوہ! یہ میں نے کیا کر دیا؟'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا اور میں تیزی سے دروازے تک گیا۔ جلدی سے دروازہ کھولا۔ وہ لڑکا باہر ہی بیٹھا تھا۔ میں نے سکھ کا سانس لیا اور جیب سے پانچ سو کے چار، پانچ نوٹ نکال کر اسے دیے۔ وہ حیران رہ گیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے نوٹ اس کے ہاتھوں میں پکڑائے اور اندر چل دیا۔

جیسے ہی میں نے لان میں قدم رکھا، لان کی رونقیں لوٹ آئیں۔ بلبل چہکنے لگی۔ پھول ہوا کے دوش پر لہرانے لگے۔ اسد اور عمر بھی طوطے سے کھیلنے لگے۔ میں نے سکھ کا سانس لیا۔ میرے اعمال کا اثر باغ پر پڑ گیا تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور پکوڑے کھانے لگا۔ اسی وقت بیگم لان میں آئیں اور کہنے لگیں۔ ''حمزہ، چلیں دیر ہو رہی ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے ہاں میں سر ہلا دیا۔

(پہلا انعام: 195 روپے کی کتب)

کالے شیشے

(عفت امین، پشاور)

''اب یہ اسکول بھی تمہیں بُرا لگ رہا ہے، عدنان! آخر تم چاہتے کیا ہو؟'' امی کی آواز میں غصہ تھا۔

''ارے، پھر کیا شور شرابا ہے؟'' ابو نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا تو عدنان سر جھکائے کھانے کی میز پر پریشان بیٹھا تھا۔

''آپ کا بیٹا اب اس اسکول سے بھی بے زار ہے۔ لاڈ پیار

سے پالا ہے، اب یہ فرمائش بھی پوری کر دیں۔'' امی نے کہا۔

''ارے بھئی، تم بھی کمال کرتی ہو۔ چوتھا اسکول ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے مسئلہ حل کر لیا ہے۔''

''ابو کیا مطلب؟'' عدنان نے خوشی سے کہا۔

''مطلب یہ کہ پہلے کھانا کھاتے ہیں، پھر بات ہو گی۔'' ابو نے کہا۔ کھانے کے بعد ابو نے سبز چائے کا قہوہ پیتے ہوئے کہا۔ ''بیٹا! جب مسئلہ سمجھ میں آ جائے تو سمجھو کہ حل ہو گیا۔ تمہارا مسئلہ یہی ہے نا کہ ہر اسکول میں بچے تم سے بات نہیں کرتے۔ تم سے جھگڑتے بھی ہیں۔ کھیلتے نہیں تمہارے ساتھ!''

''جی ابو!'' عدنان کا جواب تھا۔ ابو نے مثال دیتے ہوئے کہا۔ ''پہلے یہ بتاؤ کہ گاڑی چلاتے ہوئے ہم کس قدر دھیان رکھتے ہیں کہ کہیں سامنے گاڑی تو نہیں آ رہی؟ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کوئی راہ گیر سڑک تو نہیں پار کر رہا۔ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آگے والی گاڑی کہیں مڑنے والی تو نہیں؟''

''جی ابو!'' عدنان نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اسی طرح اگر ایک گاڑی کے تمام شیشوں پر کالا رنگ کر لیں۔ اتنا کالا کہ باہر کچھ نظر نہ آئے، پھر اس گاڑی کو چلائیں تو کیا ہو گا؟''

''پھر تو تباہی ہی تباہی یقینی ہے۔'' عدنان نے کہا۔ جو ابو کی بات نہایت غور سے سن رہا تھا۔ ''بیٹا! اسی طرح ہم بھی اس دنیا میں چلنے والی گاڑیاں ہیں۔ ہمیں اپنے آس پاس انسانوں کو سمجھنا ہو گا۔'' اتنا کہہ کر ابو نے کہا۔ ''کچھ سمجھ میں آیا؟''

''ابو! آپ کی بات تو سمجھ میں آئی مگر میرا مسئلہ کیسے حل ہو گا اور......'' عدنان خاموش ہو گیا۔

''بس سنو، دیکھو! تم مجھے یہ بتا سکتے ہو کہ تمہاری کلاس میں سب سے غریب بچہ کون ہے؟ یا یہ بتاؤ کہ کس بچے کے امی یا ابو شدید بیمار ہیں۔'' عدنان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

ابو پھر گویا ہوئے۔ ''جب تمہیں کسی کے بارے میں معلوم نہ ہو گا تو وہ تمہارے بارے میں بھی کچھ معلوم کرنا پسند نہیں کریں گے۔ عدنان بیٹا! جب ہم اپنی خوشیوں میں دوسروں کو شریک کریں۔ مشکل وقت پر ان کی مدد کریں۔ ان کے کام آئیں۔ ان کی خوشی کو اپنی خوشی اور ان کے غم کو اپنا غم محسوس کریں گے تو اس سے......''

''اوہ اچھا! اچھا...... جی ابو، اب میں سمجھ گیا کہ سب مجھ سے کھیلتے کیوں نہیں۔ کیوں مجھ سے لڑتے ہیں سب۔ اب میں ان سے دوستی کروں گا۔ ان کی باتوں کو توجہ سے سنوں گا۔''

''ہاں بیٹا! اپنی غلطی ماننا اور ٹھیک کرنا اعلیٰ ظرف لوگوں کا کام ہے۔'' ابو نے کہا۔

''جی ابو! میں اپنے گاڑی کے تمام شیشے پاک صاف رکھوں گا۔'' عدنان نے کہا تو ابو نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ شروع میں وہ تمہارا مذاق اڑائیں، مگر تم کو اپنے کالے شیشے صاف کرنے ہوں گے۔''

''جی ابو جی! ایسا ہی کروں گا۔'' عدنان نے کہا اور کرسی سے اُٹھتا ہوا، دل میں دوستوں کے دل جیتنے کی نئی ترکیب سوچتا ہوا کمرے کی طرف چلا گیا۔

پیارے بچو! تعلیم و تربیت کے ساتھیو! عدنان نے اپنے کالے شیشے صاف کر لیے۔ ہمیں بھی اپنے شیشوں کا جائزہ لینا چاہیے کہ کہیں کالے تو نہیں ہیں۔ (دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)

(کشف جاوید، فیصل آباد)

بے مثال دوست

حامد کے ابو نے اینٹیں بنانے والے بھٹے کے قریب گاڑی روکی جہاں اینٹیں تیار کی جا رہی تھیں۔ حامد کے ابو اس بھٹے کے مالک کے دوست تھے۔ وہ ان سے کچھ ضروری باتیں کر رہے تھے اور حامد وہاں تیار ہونے والی اینٹوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کچھ مزدور بہت سی اینٹیں بنانے کا آمیزہ تیار کر رہے تھے اور کچھ مزدور تیار شدہ آمیزے کو اینٹوں کے سانچوں میں نہایت پھرتی سے بھرتے جا رہے تھے جنہیں دوسرے مزدور اٹھا اٹھا کر بھٹے میں پکانے کے لیے لے جا رہے تھے۔ بعض مزدوروں کے گھر والے یعنی ان کے بیوی بچے بھی ان کے ساتھ مزدوری کر رہے تھے۔

اگلے روز حامد کے ابو اسے اپنی گاڑی میں اسکول چھوڑنے آئے تو اس کا ساتھی آصف بھی اسکول کے گیٹ تک پہنچ چکا تھا۔ اس کے بابا ہمیشہ انتہائی سادہ اور معمولی سے لباس میں ہوتے تھے۔ وہ اسے کبھی پیدل اور کبھی سائیکل پر اسکول چھوڑنے آتے تھے۔

حامد کو آصف پہلے دن سے ہی بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ کم عمر ہونے کے باوجود بہت سنجیدہ، ذہین، باادب اور صاف ستھرا لڑکا تھا۔ حامد نے اس کے ساتھ رہ کر یہ بھی محسوس کیا کہ اس کے پاس محض ایک یونی فارم ہے مگر نہایت صاف ستھری اور اس پر ہمیشہ استری بھی کی ہوتی تھی۔ اس کے جوتے بھی ہمیشہ گرد و غبار سے پاک ہوتے۔

حامد اپنے دوست آصف کی اچھی عادتوں اور ذہانت سے بہت متاثر ہوا تھا۔ اس نے کئی بار آصف کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی مگر آصف نہ جانے کیوں ٹالتا رہا اور کبھی اس کے گھر نہ آیا۔

اتفاق سے چھٹی کے روز حامد کی بازار میں آصف سے ملاقات ہو گئی۔ اس وقت آصف نے حامد سے کہا۔ ''آج تم میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ میں تمہیں اپنے امی ابو سے ملوانا چاہتا ہوں۔ بہت ذکر کرتا ہوں میں تمہارا اپنے والدین سے! وہ بھی تم سے ملنا چاہتے ہیں۔''

حامد خوشی خوشی آصف کے گھر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ دونوں پیدل ہی روانہ ہو گئے۔ آصف کا اگرچہ گھر زیادہ دور نہیں تھا مگر حامد کو پیدل چلنے کی عادت نہیں تھی، اس لیے وہ آصف سے بار بار پوچھتا تھا۔ ''ابھی اور کتنی دور چلنا ہے؟ کہاں ہے تمہارا گھر؟''

آصف مسکرا کر جواب دیتا۔ ''بس تھوڑا سا دور، کچھ ہی دیر میں میرا گھر آنے والا ہے۔''

آخر دونوں چلتے چلتے بڑے بڑے شان دار گھروں کی کالونی کے پیچھے آباد کچی بستی میں داخل ہو گئے۔ ان تنگ گلیوں میں لوگ پیدل ہی چل سکتے تھے، زیادہ سے زیادہ سائیکل سوار وہاں سے گزر سکتے تھے، وہ بھی بڑی مشکل سے۔

آخر آصف لال اینٹوں سے بنے ہوئے پلستر سے محروم ایک چھوٹے سے گھر کے باہر رک گیا جس کے دروازے پر ایک بکری بندھی ہوئی تھی۔

حامد کی حیرت اور دل چسپی بڑھتی جا رہی تھی۔ دروازہ کھٹ کھٹا کر دونوں گھر کے اندر داخل ہو گئے۔ گھر کے صاف ستھرے باورچی خانے میں آصف کی امی مٹی کے چولہے پر دوپہر کا کھانا تیار کر رہی تھیں۔ آصف نے ان سے حامد کا تعارف کرایا تو اس کی امی نے نہایت شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے لیے چائے تیار کرنے لگیں۔ اس کے بعد آصف، حامد کو اپنے کمرے میں لے گیا۔ کمرے کے ایک کونے میں لگی ہوئی کھونٹی پر آصف کا دُھلا ہوا اور استری شدہ یونی فارم لٹکا ہوا تھا اور نزدیک ہی اس کی کتابیں بھی ترتیب اور سلیقے سے رکھی تھیں۔

آصف نے چائے کی پیالی حامد کی طرف بڑھائی اور کہا۔ ''حامد! تم ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھتے ہو جہاں نعمتوں کی کوئی کمی نہیں ہے لیکن میں مزدور اور محنت کش والدین کا بیٹا ہوں۔ میرے والد بھٹے پر اینٹیں بناتے ہیں اور امی فارغ وقت میں سلائی کڑھائی کا کام کرتی ہیں۔ میں اور میری چھوٹی بہن دونوں اسکول میں پڑھتے ہیں۔ میں بھٹے پر ابو کی مدد کرتا ہوں اور میری چھوٹی بہن سلائی کڑھائی میں امی کی مدد کرتی ہے۔ دراصل میں نے محسوس کیا ہے کہ جیسے ہی کسی بچے کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرے بابا مزدور ہیں تو وہ مجھ سے دوستی ختم یا کم کر لیتے ہیں مگر میں کسی سے اپنی حقیقت نہیں چھپاتا۔ مجھے اپنے والدین کے مزدور ہونے پر شرم نہیں بلکہ فخر ہے۔ وہ ہماری ضروریات اور تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لیے دن رات محنت کرتے ہیں۔ یہی حقیقت تمہیں دکھانے کے لیے میں تمہیں اپنے گھر لایا ہوں۔ اب اگر تم چاہو تو مجھ سے دوستی رکھو اور چاہو تو ختم کر دو۔ یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔''

آصف کی یہ بات سن کر حامد دوستانہ انداز میں مسکرایا اور بولا۔ ''میں تمہارے بابا کے بارے میں بہت پہلے سے جانتا ہوں۔ میں نے تمہارے بابا کے ساتھ تمہیں بھٹے پر کام کرتے ہوئے دیکھا تھا اور میں نے خود تم سے دوستی کی، کیوں کہ میرے بابا جان کہتے ہیں کہ ہر سچا اور محنتی انسان عزت کے قابل ہوتا ہے۔ انسان قیمتی لباس سے نہیں بلکہ اپنے کردار سے پہچانا جاتا ہے۔ میں تم جیسے اچھے اور سچے دوست کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔'' یہ کہہ کر حامد نے آصف کو گلے لگا لیا۔

(تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

(حائقہ نور، اسلام آباد)

بدگمانی

ایک نہر کے نزدیک بہت خوب صورت اور ہرا بھرا گاؤں تھا۔ اس گاؤں میں ایک گھر رحمت صاحب کا تھا۔ ان کی بڑی بیٹی کا نام شمائلہ تھا اور چھوٹے بیٹے کا نام محمد تھا۔ شمائلہ بہت اچھی لڑکی تھی۔ وہ آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھی اور محمد پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ شمائلہ کو اسکول سے گرمیوں کی چھٹیاں مل چکی تھیں اور محمد کے ابھی امتحان ہو رہے تھے۔ ایک دن شمائلہ گرمیوں کی چھٹیوں کا کام کر رہی تھی کہ اچانک رضیہ بیگم نے شمائلہ کو آواز دی۔ وہ کچن میں اپنی امی کے پاس گئی تو رضیہ بیگم نے اس سے کہا کہ تم یہ سو روپے خالہ رقیہ کو دے آؤ۔ یہ اُدھار پیسے ہم نے ان سے لیے تھے۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے دروازہ کھولا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کیوں کہ اس کی سب سے بہترین دوست زینب کھڑی تھی۔ اس نے زینب کو اندر بلایا اور اپنے کمرے میں بٹھایا اور باتیں کرنے لگی۔ اتنے میں اس کی امی رضیہ

بیگم کمرے میں داخل ہوئیں۔ زینب نے شائلہ کی امی کو سلام کیا۔ پھر رضیہ بیگم ان دونوں کے لیے جوس بنا کر لے آئی۔ زینب اور شائلہ نے جوس پیا اور پھر زینب، شائلہ سے چھٹیوں کا کام پوچھ کر چلی گئی۔ پھر وہ اور کاموں میں مصروف ہوگئی اور اسے خالہ رقیہ کو پیسے دینے یاد ہی نہ رہے۔ رات کو کھانے کے وقت اس کی امی نے اس سے پوچھا کہ شائلہ بیٹا! تم نے خالہ رقیہ کو پیسے دے دیے تھے؟ تو شائلہ نے کہا کہ امی میں بھول گئی تھی اور وہ پیسے میری میز پر رکھے ہیں۔ میں کل صبح یہ پیسے خالہ رقیہ کو دے آؤں گی۔ صبح کے وقت جب اس نے اپنی میز پر پیسے نہیں دیکھے تو وہ بڑی پریشان ہوئی۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ کل تو میرے ساتھ یہاں پر زینب بیٹھی تھی کہیں یہ پیسے زینب نے تو نہیں چرا لیے؟ اس نے اپنی امی کو اس بات سے آگاہ کیا تو شائلہ کی امی بہت ناراض ہوئیں اور اس کو ڈانٹا کہ تم کوئی کام وقت پر نہیں کرتی ہو جس کی وجہ سے تمہیں نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اب تم جلدی سے یہ پیسے خالہ رقیہ کو دے آؤ۔ اگلے دن اس کی امی گھر کی صفائی کر رہی تھیں تو انہوں نے شائلہ کی میز کے نیچے بہت گند دیکھا۔ انہوں نے شائلہ کو کہا کہ بیٹا یہ میز سائیڈ پر کرو، میں نے یہاں سے صفائی کرنی ہے۔ جب انہوں نے میز ہٹائی تو وہاں سو روپے کا نوٹ پڑا تھا۔ انہوں نے شائلہ کو بتایا کہ جو پیسے تم نے کل لاپروائی سے میز پر رکھے تھے وہ پیچھے گر گئے تھے۔ انہوں نے پھر شائلہ کو سمجھایا کہ ہمیں اپنے دل میں بدگمانیاں پیدا نہیں کرنی چاہئیں اور کام کو وقت پر کرنا چاہیے۔ شائلہ نے کہا۔ "ٹھیک ہے، پیاری امی جان! میں اب اس بات کا خیال رکھوں گی۔" (چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب)

نقلی نوٹ

(خدیجہ تحریم، رسالہ خورد)

"امی جان! مجھے بیس روپے دیں۔" عمیر دن میں چوتھی بار اپنی امی سے پیسے مانگ رہا تھا۔ اس کی امی نے اسے بیس روپے دیے اور کام میں مشغول ہوگئیں۔ عمیر اپنے کزن کے ساتھ دکان پر گیا اور نقلی نوٹوں کے دو بنڈل لے آیا۔ عمیر اور اس کے کزن نقلی نوٹوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ اتوار کا دن تھا۔ عمیر کے چچا زاد اور تایا زاد بھائی اس کے گھر آئے ہوئے تھے۔ شام کے کھانے کے بعد اس کے کزن اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ صحن میں بہت سارے نقلی نوٹ بکھرے ہوئے تھے۔ رات کو ہلکی ہلکی بارش ہوئی جس سے صحن گیلا ہو گیا۔ بارش میں جو بھی آتا اس کے جوتوں پر گیلی مٹی نوٹوں سے چپک جاتی جس سے صحن بہت گندہ دکھائی دینے لگا۔ عمیر کی امی نے نوکرانی سے صحن کی صفائی کروائی تو صحن کا حال کچھ بہتر ہوا۔ جمعہ والے دن عمیر کے ماموں آئے ہوئے تھے۔ عمیر اپنے ماموں زاد بھائیوں کے ساتھ کھل مل گیا اور خوب پیسے اڑائے۔ عمیر کے ماموں نے تین چار دن بچوں کا معمول دیکھا تو انہیں سمجھانے کا فیصلہ کیا۔ شام کو انہوں نے بچوں کو اکٹھا کیا اور پوچھا:

"قائداعظم کون تھے؟"

احمد بولا: "قائداعظم پاکستان کے بانی تھے۔ ان کی ان تھک کوششوں اور محنتوں کی وجہ سے ہمیں پاکستان ملا۔ اگر وہ پاکستان نہ بناتے تو آج ہم غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہوتے۔"

ماموں نے پوچھا: "آپ کے نزدیک مسجد کی کیا اہمیت ہے؟"

ابوبکر نے کہا: "مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ ہم اس میں پانچ وقت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ جو شخص مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتا ہے، اس کے لیے اجر ستائیس گنا زیادہ ہے۔"

ماموں نے کہا: "شاباش! آپ سب کچھ جاننے کے باوجود ان کی بے ادبی کرتے ہیں؟"

"وہ کیسے، ماموں جان؟" احمد نے پوچھا۔

ماموں جان نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ نقلی نوٹ لیتے ہیں پھر انہیں زمین پر پھینک دیتے ہیں۔ اس طرح ان کی بے ادبی ہوتی ہے۔" ابوبکر نے کہا۔

"اور ماموں جان! یہ فضول خرچی بھی تو ہے۔"

ماموں جان نے کہا: "بالکل یہ فضول خرچی بھی ہے تو کیا ہم قائداعظم کی قربانیوں کا صلہ انہیں پیروں تلے روند کر دیں اور مسجد کو روند کر اس کی بے حرمتی کریں۔" ماموں جان نے سوالیہ نظروں سے سب کی طرف دیکھا تو عمر بولا: "ماموں جان! ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ اس طرح سے نوٹ کی بے حرمتی نہیں کریں گے اور اپنے دوستوں کو بھی اس کام سے روکیں گے۔"

سب نے یک زبان ہو کر کہا: "ان شاء اللہ۔" ماموں خوشی سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔ (پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب)

باسکٹ بال کا شمار دُنیا کے مقبول کھیلوں میں ہوتا ہے۔ ایک امریکی پروفیسر ڈاکٹر جیمز اسمتھ نے 1891ء میں طالب علموں کو چاک و چوبند رکھنے کے لیے ایک کھیل وضع کیا۔ جسے دُنیا باسکٹ بال کے نام سے جانتی ہے۔ باسکٹ بال کے وجود میں آنے کی کہانی بھی بڑی دل چسپ ہے۔ 1891ء میں سخت سردی کے موسم نے لوگوں کو اپنے اپنے گھروں میں دبکنے پر مجبور کر دیا۔ اس صورت حال پر غور کرتے ہوئے ایک ماہرِ تعلیم اور جسمانی ورزش کے اُستاد ڈاکٹر جیمز اسمتھ کو خیال آیا کہ کوئی ایسا کھیل ہو جو سخت سردی میں اندرونِ خانہ یعنی اِن ڈور کھیلا جا سکے اور اس کھیل کے لیے جسمانی کے ساتھ ساتھ ذہنی توانائی کی زیادہ ضرورت ہو تا کہ لوگ اس میں زیادہ دل چسپی لیں۔ چناں چہ چند دنوں کے غور و فکر کے بعد انہوں نے اس کھیل کے ابتدائی خدوخال مرتب کیے۔ یوں ایک نیا کھیل ''باسکٹ بال'' وجود میں آیا۔

کھیل کا آغاز 1891ء میں ہی امریکی ریاست میسا چوسٹس میں ہوا۔ جیمز اسمتھ نے ہی اس کا افتتاح کیا۔ وہ ایم سی اے کے ایک تربیتی اسکول میں جسمانی ورزش کے اُستاد تھے۔ امریکہ، کینیڈا اور دوسرے ممالک سے طالب علم جسمانی ورزش کی تعلیم و تربیت کے لیے اس اسکول میں آیا کرتے تھے۔ اسمتھ نے دورانِ تعلیم یہ محسوس کیا کہ طالب علم ابتدا میں بڑے ذوق و شوق کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا ہے، ان کی دل چسپی بہت کم رہ جاتی ہے۔ پھر جب یہ رجحان خطرناک حد تک بڑھ گیا تو انہوں نے اس کے لیے غور و فکر شروع کر دیا۔ چناں چہ ایک اچھا اُستاد ہونے کی حیثیت سے جلد ہی انہوں نے ایک اچھا حل تلاش کر لیا جو بعدازاں باسکٹ بال جیسے کھیل کی بنیاد بنا۔ اس کھیل سے طالب علموں میں پھر سے ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا ہوا۔ وہ طلباء جو ورزش کے روایتی طریقوں سے اُکتا چکے تھے، اب زیادہ جوش و خروش سے ورزش میں حصہ لینے لگے۔ تھکا دینے والی ورزش سے وہ اُکتا چکے تھے لیکن باسکٹ بال نے انہیں ایک پسندیدہ کھیل

دے دیا تھا۔

ابتدا میں اس کھیل کا اہتمام جمنازیم کے اندر ہوا۔ دو یوں کہ آمنے سامنے کی دیواروں پر نو، دس فٹ بلند ایک ٹوکری لگا دی گئی۔ کھلاڑی گیند کو زمین پر ٹپ دیتے ہوئے، ایک دوسرے کو پاس کرتے مخالف ٹیم کی باسکٹ میں ڈالنے کی کوشش کرتے۔ جو ٹیم ایک مقررہ وقت میں زیادہ بار گیند ٹوکری میں ڈال لیتی، وہ جیت جاتی۔ باسکٹ بال کا پہلا میچ 20 جنوری 1892ء کو وائی ایم سی اے میوزیم میں کھیلا گیا۔ خواتین باسکٹ بال کا آغاز بھی 1892ء سے ہی ہوا۔

جیسا کہ اکثر کھیلوں کے قواعد و ضوابط میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں آتی رہتی ہیں، ایسا ہی اس کے کھیل کے ساتھ ہوا۔ باسکٹ بال کی ابتدا جیمز اسمتھ کے ہاتھ سے ہوئی تھی۔ چناں چہ اس کے ابتدائی قواعد و ضوابط بھی انہوں نے ہی وضع کیے۔ یہ قواعد 1892ء میں بھی شائع ہوئے۔ البتہ باسکٹ بال کے باقاعدہ قواعد 1896ء میں تحریر کیے گئے۔

شروع میں اس کھیل میں بڑی دقت محسوس ہوتی۔ گیند جب ٹوکری یا باسکٹ کے اندر پھینک دی جاتی تو اسے پھر سے نکالنے میں بہت سا وقت لگتا۔ گیند نکالنے کے لیے لکڑی کی سیڑھیوں کا استعمال ہوا، پھر اس کام کے لیے بانس کا استعمال بھی ہوا۔ ان مشکلات کے ساتھ ایک سال یہ کھیل کھیلا گیا۔ پھر لیو ایلن (Lew Allen) نامی ایک امریکی باشندے نے ایک تجویز دی کہ عام ٹوکری کی جگہ لوہے کا چھلا استعمال کیا جائے۔ جس کے نیچے ڈوری سے بنا جال ہو۔ تجویز بہت اچھی تھی۔ چناں چہ اس پر عمل شروع ہو گیا۔ پہلے کا جال کھولنے کے لیے ایک ڈوری لٹکائی جاتی۔ جب گیند جال میں چلی جاتی تو ریفری ڈوری کھینچ کر گیند گرا دیتا۔ ایک عرصے تک یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ آج جو جال (Net) ہمیں نظر آتا ہے، یہ پہلی بار 13-1912ء کے دوران استعمال ہوا۔ اس میں گیند جال میں جانے کے بعد خود بخود نیچے گر جاتی ہے۔

1932ء میں باسکٹ بال انٹرنیشنل فیڈریشن کا قیام عمل میں آیا۔ پہلی مرتبہ اس کھیل کو برلن اولمپکس میں شامل کیا گیا۔ اس کھیل میں دو ٹیمیں حصہ لیتی ہیں۔ ہر ٹیم 5 کھلاڑیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ کھلاڑی بیک وقت حملہ آور اور دفاعی کھلاڑی کی حیثیت سے کھیلتے ہیں اور کورٹ میں کسی بھی جگہ اپنی پوزیشن سنبھالتے ہیں۔ کوشش کی جاتی ہے کہ لمبے قد والے کھلاڑی کو باسکٹ کے قریب متعین کیا جائے جو باسکٹ میں بال ڈالنے کا کام سر انجام دیتا ہے۔ کھلاڑی مختلف پوزیشنوں پر کھیل سکتے ہیں۔ یعنی انہیں کھیل کی صورت حال کے مطابق تبدیل کر کے نئی پوزیشن پر کھلایا جا سکتا ہے۔ اس کھیل کے کورٹ کی لمبائی 28.65 میٹر جبکہ چوڑائی 15.24 میٹر ہوتی ہے۔ خواتین کے لیے بال (گیند) کا سائز 28.5 انچ جبکہ وزن 20 اونس ہوتا ہے، جب کہ مردوں کے لیے بال 29.5 انچ اور وزن 22 اونس ہوتا ہے۔ پاکستان میں باسکٹ بال فیڈریشن کا قیام فروری 1952ء میں عمل میں آیا۔ یہ کھیل لاہور، کراچی، راولپنڈی اور دیگر بڑے شہروں میں زیادہ ذوق و شوق سے کھیلا جاتا ہے۔

جیسے جیسے باسکٹ بال کے قواعد و ضوابط اور دوسری چیزوں میں تبدیلیاں آئیں، ایسے ہی وقت کے ساتھ ساتھ اس کی گیند کا سائز بدلتا گیا۔ ابتدا میں فٹ بال والی گیند استعمال ہوتی تھی، جس کا قطر تقریباً 28 انچ ہوتا تھا۔ پھر 1894ء میں نئی گیند ایجاد کی گئی۔ اس کا قطر تقریباً 32 انچ تھا، یعنی فٹ بال سے بڑا۔ ہوا بھرنے سے اس نئے گیند کا وزن مزید بڑھ جاتا۔ باسکٹ بال کے موجودہ گیند کا قطر تقریباً 30 انچ اور وزن 20 اونس ہوتا ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد یہ کھیل زیادہ تیزی سے مقبول ہوا۔ امریکہ اور کینیڈا کے بعد یہ کھیل دوسرے ممالک چین، جاپان، فلپائن میں مقبول ہوتا چلا گیا۔ یورپ میں اسے بہت پذیرائی ملی اور یوں یہ نوجوانوں کا پسندیدہ کھیل بن گیا۔ چناں چہ اس کی مقبولیت کے پیش نظر اکثر ممالک نے کہا کہ اسے اولمپک کھیلوں کا حصہ بنایا جائے۔ یوں برلن کے اولمپکس (1936ء) میں یہ پہلی مرتبہ شامل کیا گیا اور اس کے بانی جیمز اسمتھ کو خصوصی طور پر اسے دیکھنے کے لیے مدعو کیا گیا۔ جیمز اسمتھ 1939ء میں یہ دنیا چھوڑ گیا۔

امریکہ اس کھیل کا بانی تھا اور آج بھی امریکہ کی اس کھیل پر اجارہ داری ہے۔ وہاں منظم و پیشہ ورانہ تنظیمیں اسے فعال رکھے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ باسکٹ بال کا شمار دنیا کے مقبول کھیلوں میں ہوتا ہے۔

لگی شرط...... اگر میں آج سارا دن کلاس میں کھڑا ہی رہا تو تم سب مجھے 50 روپے دو گے اگر میں تھک کر بیٹھ گیا تو تم سب مل کر میرا نام بدل دینا۔ عدن میاں نے صبح صبح خوب زور شور سے پوری کلاس کو چیلنج کیا۔

''صرف نام بدلنے سے کیا ہو گا۔ اگر ہار گئے تو کوئی سزا بھی جھیلنی پڑے گی۔'' اس کے ہم جماعت خوب جوش سے بولے۔ ہم میں سے ہر ایک تمہیں ایک ایک تھپڑ بھی لگائے گا۔ یہ طیب تھا عدن کا سب سے بڑا دشمن۔ جسے عدن کی اس وقت شرط لگانے کی عادت سے بے حد چڑ تھی۔

''بالکل ٹھیک'' پوری جماعت یک زبان ہو کر بولی۔ اب بتاؤ عدن شرط لگاتے ہو یا نہیں۔ سب نے اسے چیلنج کیا۔ مگر 50 روپے کے مقابلے میں نام کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ تھپڑ کھانا مہنگا سودا تھا۔ اب ساری جماعت ایک طرف اور عدن میاں دوسری طرف۔ خیر اس نے ہمت کی اور اسمبلی کے بعد جماعت کی پچھلی نشستوں پر جا کر کھڑا ہو گیا تا کہ آنے والے اساتذہ اسے بیٹھنے پر مجبور نہ کر سکیں۔ ساری جماعت اس کی حرکات و سکنات پر نظر رکھے ہوئی تھی۔ اگر وہ ہاتھ سے ڈیسک کا سہارا بھی لے لیتا تو سب اسے گھورنے لگتے...... ایک دوسرے کو کہنیاں مارتے، مسکراتے...... اور عدن سنبھل جاتا۔

ہر استانی سے عدن کو اس فضول شرط پہ ڈانٹ بھی پڑی۔ پوری جماعت اس کی شرط کے بارے میں استانیوں کو بتاتی اور وہ انہیں شرط لگانے کے نقصانات سے آگاہ کرتیں۔ مگر وہ عدن ہی کیا جو شرط لگانے سے باز آ جاتا۔ آئے روز نت نئی شرطیں لگا کرتیں۔ کبھی درخت پر چڑھنے کی تو کبھی ماسٹر صاحب کی موٹر سائیکل کی ہوا نکالنے کی۔ اسکول کے چوکیداروں سے نظر بچا کر اسکول کا مین گیٹ پار کرنے کی۔ جس پر وہ سیکیورٹی کیمروں کی نظر میں آ گیا اور اسکول کے سیکیورٹی انچارج سے اسے ٹھیک ٹھاک ٹھکائی بھی لگی تھی۔ عدن کبھی کبھار جیت بھی جاتا۔ مگر عموماً جماعت کے تمام بچے مل کر اس کے خلاف محاذ بنا لیتے اور اسے شکست ہو جاتی۔ پھر خوب مار بھی پڑتی اور شرط کے مطابق سزا بھی۔ اساتذہ بھی اسے خوب سرزنش کرتے مگر اگلے روز وہی عدن اور وہی عدن کا شوق کہ لگاؤ شرط۔

اس کے اس تمام شوق میں حرج اس کی پڑھائی کا ہی ہوتا تھا۔ آج بھی سارا دن جماعت میں کھڑا رہنے سے اس کی ٹانگوں میں شدید درد ہونے لگا۔ آخری گھنٹے تک تو اس کی ہمت بالکل ہی جواب دے گئی۔ استانی راحت انہیں اسلامیات پڑھا رہی تھیں جب دھم کی آواز سے عدن میاں ڈیسک پر گر گئے۔ لمبے لمبے لیٹے کراہنے لگے۔ پوری جماعت میں تو خوشی کی لہر دوڑ گئی کیوں کہ اس

کی جیت کی صورت میں پوری جماعت کو اپنے پیسوں کی قربانی دینا پڑتی۔ سب نے مل کر شور مچا دیا۔ ”عدن ہار گیا، عدن ہار گیا۔“ عدن کے اوسان بحال ہوئے تو فوراً بولا۔ ”میں بیٹھا تھوڑی ہوں۔ لیٹا ہوں سو ہارنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

استانی راحت ایک خاصی نرم مزاج اور دوستانہ رویے والی استانی تھیں۔ دوسری طرف پوری جماعت عدن کو تھپڑ مارنے کا پروگرام بنانے لگی اور اس کے نئے نام زیرغور آ گئے۔ ٹیچر نے بچوں کو خاموش کرایا اور پھر عدن کی طرف دیکھتے ہوئے پوری جماعت سے بولیں۔

بچو! یہ شرطیں لگانا بالکل اچھی عادت نہیں ہے۔ اسی لیے تو ہمارے دین نے بھی ان سے منع کیا ہے۔“

لیکن ٹیچر یہ تو ایک چیلنج ہے اپنی صلاحیت پر بھروسہ کرتے ہوئے دوسروں کو للکارا جاتا ہے۔ اسی طرح تو مقابلہ ہوتا ہے اور یہی شرط ہے۔ عدن شدید تھکن کے باوجود بڑے اعتماد سے بولا۔

جی بیٹا...... مگر مقابلہ تو صحت مند سرگرمیوں میں ہونا چاہیے بھلا سارا دن جماعت میں کھڑا رہنا کیسی 'شان دار صلاحیت' ہے...... اور پھر یہ مقابلہ ہارنے کی صورت میں سزا تو کتنی 'قابل رشک' ہے۔ ٹیچر طنزیہ لہجے میں بولیں۔

”بچو! ایسی شرطوں سے آپ کے نقصان کا خدشہ ہوتا ہے۔“ ٹیچر نے دوسرا نکتہ اٹھایا۔

”ہاں جیسے اب عدن کو تھپڑوں کی صورت میں اٹھانا پڑے گا۔“ پوری کلاس نے قہقہہ لگایا۔

”بچو! مقابلہ ہمیشہ اچھے کاموں میں ہونا چاہیے۔ کلاس میں اچھا پڑھنے کا مقابلہ...... گھر کا کام صاف اور خوش خط کرنے کا مقابلہ۔ ایسے فضول مقابلے صرف وقت ضائع کرنے کے برابر ہیں۔“ ٹیچر ڈپٹ کر بولیں۔

لیکن عدن نے حسب عادت ان کی تمام باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیں۔ اسے ایسی شرطوں میں ہمیشہ سے مزہ آتا تھا۔ اس کا بڑا بھائی بھی اکثر شرطیں لگا کر اپنے کبوتر اڑاتا...... اور کافی کافی رقم جیت لیتا۔ جب بھی وہ اپنا سب سے تیز کبوتر فروخت کرتا چند روزہ بعد وہ واپس انہی کے گھر آن پہنچتا۔ کبوتر بھی واپس اور پیسے بھی جیب میں۔

یوں ہی اپنی عادتوں کو پختہ کرتے عدن میاں دسویں میں آن پہنچے۔ اب ان کے زیادہ تر ہم جماعت اپنی پڑھائی میں سنجیدہ ہو چکے تھے۔ عدن بھی امی کی ڈانٹ اور ابو کی مار کے ڈر سے پڑھائی میں دل چسپی لینے لگا تھا۔ اسکول اور شام میں اکیڈمی کی مصروفیات اسے ان شرطوں میں پڑنے کا وقت ہی نہیں لینے دیتی تھیں۔ ابو صبح شام اسے خود اسکول اور اکیڈمی چھوڑ کر آتے تھے اور ساتھ ہی اکثر اس کے اساتذہ سے بھی ملتے اور عدن کی تعلیمی کارکردگی کا پوچھتے رہتے تھے۔ سو عدن اب خاصا سدھرتا جا رہا تھا۔

سردیوں کی آمد آمد تھی۔ آج چھٹی کے روز بڑے دنوں بعد عدن اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلنے گراؤنڈ میں آیا تھا۔ کھیل کھیل میں شرط لگ گئی۔ گراؤنڈ کے قریب ہی موجود ریل کی پٹڑی پر ریل کی آمد پر دیر تک بیٹھنے کی۔ تینوں دوست پٹڑی پر جا بیٹھے۔ گراؤنڈ میں موجود بہت سے لڑکے ان کے قریب ہی جمع ہو گئے۔ جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ریل کے آنے کی سیٹی سنائی دی۔ پھر ہارن...... آواز آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھی۔ اس کے دونوں دوست باری باری پٹڑی سے اٹھ گئے۔ لیکن عدن وہیں بیٹھا رہا۔

ٹرین کا ہارن بالکل قریب ہی سنائی دیا۔ دیگر لڑکوں کی آوازیں بھی تیز ہونے لگیں سب اسے اٹھنے کا کہہ رہے تھے۔ مگر اس آخری لمحے نے اس کے حواس منجمد کر دیے۔ ٹرین اس کے سر پر آن پہنچی تھی۔ اس کے دونوں دوستوں نے بمشکل اسے اپنی طرف کھینچا۔ عدن بال بال موت کے منہ سے بچا تھا۔ وہ مکمل بے ہوش ہو چکا تھا۔

آس پاس موجود لوگ بھی دوڑے دوڑے اس جگہ اکٹھے ہو گئے۔ عدن کو اسپتال لے جایا گیا۔ پھر گھنٹے بعد اسے ہوش آیا۔ اس کے امی ابو کو دوستوں نے تمام کہانی سنا دی تھی۔ اسپتال میں امی ابو اور بہن بھائیوں کے ساتھ ساتھ اس کے دونوں دوست بھی موجود تھے۔ امی اور ابو کا خوف سے زرد اور آنسوؤں سے تر چہرہ دیکھ کر عدن اور بھی شرمندہ ہوا۔ آج اگر اس کے دوست اس کا ہاتھ نہ کھینچتے تو اس کی موت بھلا کیا ہوتی؟؟؟

حادثہ یا خودکشی......؟

عدن نے سب سے معافی مانگی اور اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کی کہ اب وہ فضول شرطوں میں اپنی جان کی بازی نہیں لگائے گا۔

پیارے بچو! کیا ہمارے نوجوانوں کی جان اتنی ارزاں ہے کہ اسے محض چند پیسوں کی شرط پر داؤ پر لگا دیا جائے۔ نہیں جان اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے۔ اس کی قدر کرنی چاہیے۔ کیوں ٹھیک ہے ناں......؟

......☆......

مدیر: تعلیم و تربیت! السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟

ڈیئر ایڈیٹر صاحبہ! میں تعلیم و تربیت بہت شوق سے پڑھتی ہوں اور اس کا ہم سب گھر والے شدت سے انتظار کرتے ہیں۔ اس کی تعریف میں، میں صرف یہی کہنا چاہوں گی۔

تو صبح درخشاں، تو بات سادگی
خدا کرے تجھے کبھی زوال نہ ہو

میڈم! اس کے تمام سلسلے بہت اچھے اور معلوماتی ہیں اور بچوں کے لیے اس سے معیاری رسالہ شاید کوئی نہیں ہو سکتا ہے۔ میرا خط ضرور شائع کیجیے گا۔ منتظر رہوں گی۔ (طیبہ ندیم، کراچی)

☆ آپ کی تعریف اور پسندیدگی کا شکریہ!

ایڈیٹر صاحبہ! اُمید ہے کہ تعلیم و تربیت کی پوری ٹیم خیر خیریت سے ہو گی۔ آپ کا رسالہ ہر مرتبہ بہت لاجواب ہوتا ہے۔ میں اسے کئی سال سے پڑھ رہی ہوں۔ اس دفعہ کا رسالہ بھی جلد ہی مل گیا تھا۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ سرورق بھی بہت خوب صورت تھا۔ تیرہ بجے اور ریل ڈھیل تو نمبر ون تھیں۔ زندہ لاش بھی بہت زبردست سلسلہ ہے۔ ہمارے پیارے قائداعظم، بڑے آدمی قائداعظم، مچھلیاں اور ٹیز اکوٹا کے جنگجو سپاہی بہت اچھے مضمون تھے۔ بیت المقدس اور مکلی شہر خاموشاں پڑھ کر تو وہاں کی سیر ہو گئی۔ باقی تمام سلسلے بھی بہت اچھے تھے۔ اس دفعہ آپ نے اُوجھل خاکے نہیں شائع کیے۔ پلیز یہ سلسلہ ختم مت کیجیے گا۔ یہ رسالہ پڑھنے سے نہ صرف میری معلومات میں اضافہ ہوا ہے بلکہ میری اُردو بھی بہت اچھی ہو گئی ہے۔ میں اس دفعہ کچھ اور چیزیں بھی بھیج رہی ہوں اور ایک کہانی ''غرور کی سزا'' سلسلہ آپ بھی لکھیے کے لیے بھیج رہی ہوں۔ اُمید ہے آپ میری حوصلہ افزائی کریں گی۔ پلیز، میرا خط ضرور شائع کیجیے گا، ورنہ میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گی۔ اللہ تعالیٰ تعلیم و تربیت کو ہمیشہ ترقی و کامیابی کی منزل پر گامزن رکھے۔ (آمین) (خدیجہ نعیم، لاہور)

☆ کہانی معیاری ہوئی تو ضرور شائع ہو گی۔ مایوس نہیں ہونا!

ڈیئر آپی! دسمبر کا شمارہ ملا، اپنی تحریر دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ کہانیوں میں قائداعظم محمد علی جناح پڑھ کر قانون کی پیروی اور محبت پاکستان کا سبق ملا۔ ''عادت'' کہانی سے بُری صحبت سے بچاؤ کا سبق ملا۔ ''مہمان اور میزبان'' سے مطلب پرستی سے کنارہ کشی کا سبق ملا۔ ہونہار مصور میں محمد زبیر جشید علی کی مصوری بہت اعلیٰ ہوتی ہے۔ بلاعنوان میں ایمن فاطمہ، ملتان کے عنوان اچھے ہوتے ہیں۔ پہلے خط لکھا تھا وہ بھی شائع نہیں ہوا، مہربانی کر کے اس خط کو شائع کیجیے۔ (فائزہ رزاق، خانیوال)

☆ ڈیئر فائزہ! آپ کی تحریریں پہلے بھی شائع ہو چکی ہیں۔ لہٰذا اب خط بھی شامل کر دیا ہے۔

اُمید کرتی ہوں کہ تعلیم و تربیت کی پوری ٹیم خیریت سے ہو گی اور ہمارا خط شائع کرنے کا بہت شکریہ۔ اس بار ماہنامہ تعلیم و تربیت میں مختصر مختصر، اجنبی پودا، مہمان اور میزبان، تیرا بجے، چڑی مار شیر دل، ریل ڈھیل اور اُمیدوں کے چراغ پڑھ کر دل خوشی سے جھوم اُٹھا۔ لیکن پہلے جتنا مزہ نہیں آیا کیوں کہ ہمیں یہ رسالہ دیر سے ملا تھا۔ بچوں کا انسائیکلوپیڈیا اور آئیے مسکرائیں ہمیشہ کی طرح دل چسپ ہوتا ہے۔ ہم سب گھر والے بڑے شوق سے یہ رسالہ پڑھتے ہیں۔ تعلیم و تربیت کی پوری ٹیم کو میری طرف سے بارہ ربیع الاوّل کے مہینے کی بہت بہت مبارک ہو۔

سب سے پیارا تعلیم و تربیت
ہم سب کی آنکھوں کا تارہ تعلیم و تربیت
بچے شوق سے پڑھتے ہیں اسے
ہے یہ بچوں کا رسالہ تعلیم و تربیت
بہت کم لوگ واقف ہیں تحن آثار لمحوں سے
جسے محسوس کرتے ہیں لکھا نہیں کرتے

(اُم کلثوم عبدالستار، چونی)

اُمید ہے کہ تعلیم و تربیت کی ٹیم خیریت سے ہو گی۔ یہ میرا پہلا خط ہے۔ اسی لیے رسالے کی زینت ضرور بنایئے گا اور روزی کی

ٹوکریوں کو اس خط سے دور رکھیے گا۔ دسمبر کا شمارہ زبردست تھا۔ میں نے ناول ''الجھا کیس'' لکھا ہے۔ اُمید ہے بہت اچھا ہو گا اور آپ اس کو شائع بھی کریں گے۔ یہ میرا تیسرا ناول ہے۔ میں تین سال سے تعلیم و تربیت پڑھ رہا ہوں مگر میں نے 1990ء کے رسالے بھی پڑھے ہیں۔ میرے ماموں نے انہیں ہیرے کی طرح سنبھال کر رکھا ہے۔ میں ہر وقت یہی دعا کرتا ہوں کہ کاش میں بھی تعلیم و تربیت کے لیے کام کر سکوں اور اسے عالمی رسالہ بنا سکوں۔ اسی بات کو مدنظر رکھ کر میں نے ناول لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ تعلیم و تربیت کو دن دُگنی اور رات چگنی ترقی دے۔ آمین! (محمد احمد، ڈیرہ غازی خان)

میڈم! کیا حال ہے؟ اُمید ہے ٹھیک ہوں گی؟ میں بھی ٹھیک ہوں۔ اس ماہ کا رسالہ سپرہٹ تھا، خاص کر اُمیدوں کے چراغ، چڑی مار، تیرہ بجے، عادت، مہمان اور میزبان، اجنبی پودا، رپیل ڈمپل شامل ہیں۔ اداریہ بہت اچھا تھا۔ آج ہر چیز پر چین کا نام لکھا ہوتا ہے حالاں کہ وہ ہمارے ملک سے بعد آزاد ہوا ہے۔ اگر ہم ان کی طرح محنت کریں تو اپنا ملک اور ترقی کرے گا۔ قرآن و حدیث کا درس بھی شان دار تھا۔ قائداعظم کے بارے میں مضمون بڑے معلوماتی تھے۔ نصیر الدین طوسی کے بارے میں پڑھ کر اچھا لگا۔ پیارے اللہ کے پیارے نام بھی ہر بار کی طرح لاجواب تھے۔ کہانی چڑی مار میں واقعی دوسروں کی دعائیں لینی چاہئیں، یہ ہر جگہ کام آتی ہیں۔ کاش! ادھر بھی تیرہ بجیں۔ مختصر مختصر تو ٹاپ پر ہوتی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا، میری بیاض سے، مسکراہٹیں، ذائقہ کارنر، ضرب المثل، کھوج لگایئے، زندہ لاش، آپ بھی لکھیے، زکوٰۃ، رنگی، بیت المقدس، شیر شاہ سوری، ڈاک، مچھلیاں، مکھی، میرا کوٹا، بلاعنوان سب ہی شان دار تھیں۔ میرا خط کیسا لگا؟ ضرور شائع کیجیے گا۔

(بینش اشرف چٹھہ، گوجرانوالہ)

☆ ڈیر بینش! آپ کا تبصرہ بہت اچھا لگا۔ آپ کی تعریف کے علاوہ تنقید ہمارے لیے بہت مثبت ثابت ہوتی ہے لہٰذا خط لکھنے کا بہت شکریہ۔

پیاری ایڈیٹر صاحبہ! اُمید کرتے ہیں کہ آپ سب لوگ خیریت سے ہوں گے۔ ہم سب دوست پچھلے چار مہینوں سے یہ پیارا تعلیم و تربیت پڑھ رہی ہیں۔ اب دوسری دفعہ خط لکھ رہی ہیں لیکن آپ شائع ہی نہیں کرتے۔ ہم سب دوست کلاس میں بیٹھ کر چوری چوری یہ پیارا تعلیم و تربیت پڑھتی ہیں۔ اس کے لیے ہم نے ٹیچرز کی کئی دفعہ ڈانٹ کھائی ہے۔ اس دفعہ بھی ہم سب دوستیں کچھ تحریریں بھیج رہی ہیں۔ پلیز ضرور شائع کیجیے اور مہربانی کر کے ہمارا خط ردی کی ٹوکری کی نذر مت کرنا، ورنہ ہمارے پچھلی دفعہ کی طرح اس بار بھی پیسے ضائع ہو جائیں گے جو ہم بڑی مشکل سے بچاتے ہیں۔ دوستوں کے بارے میں اقوال زریں تھوڑے زیادہ بھیج دیا کریں اور اس مہینے ہم بھی لکھ کر بھیج رہی ہیں۔ پلیز! ضرور شائع کرنا، ورنہ ہم سب ہی دوستیں آپ سے ناراض ہو جائیں گی۔ ہم کچھ کہانیاں بھیجنا چاہتی ہیں پلیز رہنمائی کریں۔ (آمنہ عبدالستار، ارم، ثنا، نیہا، عشرت، پتوکی)

☆ ڈیر آمنہ! کہانیوں کی راہ نمائی کے لیے آپ ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ کر سکتی ہیں۔

محترمہ ایڈیٹر صاحبہ! میں آپ کے رسالے تعلیم و تربیت کی ایک سال سے قاریہ ہوں۔ مجھے یہ رسالہ دل و جان سے پیارا ہے۔ یہ ایک بہترین رسالہ ہے۔ دسمبر کے رسالے میں تیرہ بجے، عادت اور چڑی مار شیر دل بہت مزے دار کہانیاں تھیں۔ خاص طور پر ''زندہ لاش'' تو میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں اور یہ ناول مجھے بہت پسند ہے۔ میں اکثر یہ رسالہ اپنے اسکول لے جا کر اپنی دوستوں کو بھی دکھاتی ہوں اور وہ بھی یہ رسالہ بہت شوق سے پڑھتی ہیں۔ اُمید ہے میرا یہ خط آپ اگلے شمارے میں شائع کر کے میری حوصلہ افزائی فرمائیں گی۔ آپ اس خط کو ردی کی ٹوکری کی نذر نہ کیجیے گا۔ اللہ آپ کے رسالے کو دن دُگنی رات چوگنی ترقی دے۔ (آمین!) بہت محبت کے ساتھ میری طرف سے تعلیم و تربیت کے لیے:

یوں ہی چمکتے رہنا میرے تعلیم و تربیت
یہی دُعا ہے میرے لبوں پہ ہر دم

(مریم جاوید، مظفر آباد آزاد کشمیر)

☆ آپ کی پسندیدگی اور دُعاؤں کے لیے بہت شکریہ۔ اللہ تعالیٰ تعلیم و تربیت کے سبھی بڑے چھوٹے قارئین کو ہر میدان میں کام یاب کرے۔ آمین!

ان ساتھیوں کے خطوط بھی بہت مثبت اور اچھے تھے، تاہم جگہ کی کمی کے باعث ان کے نام شائع کیے جا رہے ہیں:

خدیجہ نعیم، زینالہ خورد۔ فاطمہ اختر، راول پنڈی۔ وجیہہ الیاس، پشاور۔ محمد حمزہ لغاری، میانوالی۔ سحر جاوید، سیال کوٹ۔ سید محمد عثمان نفیس، گوجرانوالہ۔ آمنہ سلام، عائشہ سلام، محمد اسماعیل، اسلام آباد۔ محمد حیدر علی، محمد حسنین، حسن ابدال۔ ورداء زہرہ سیال، جھنگ صدر۔ لاریب ممتاز، امتیاز علی، لاہور۔ تماضر ساجدہ، صادق آباد۔ عیشہ سعید، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ محمد خان، میانوالی۔ بی بی ہاجرہ، ہری پور۔ مریم فاطمہ، اسلام آباد۔ عبدالمعید قریشی، ٹیکسلا۔ افراح سجاد، راول پنڈی۔ حیدر علی، سرگودھا۔ اسامہ ظفر راجہ، سرائے عالم گیر۔ کشف جاوید، فیصل آباد۔

اگر آپ کشتی کے ذریعے منگلا سے منگلا جھیل تک شمال میں سفر کریں تو دو دریاؤں دریائے جہلم اور دریائے پونچھ کے ملاپ پر پہنچنے سے کچھ دیر پہلے دُور سے پہاڑ کی چوٹی پر ایک قلعے کی دیوار نظر آئے گی۔ تو یہ ہے قلعہ رام کوٹ۔ قلعہ رام کوٹ میرپور، آزاد کشمیر میں واقع ہے۔ یہ منگلا جھیل سے بہت قریب ہے۔ ماضی میں یہ قلعہ ایک دفاعی مرکز تھا۔ غالب امکان ہے کہ آج سے تقریباً 500 سال قبل اس دور کے کشمیری حکم رانوں نے بیرونی حملہ آوروں سے بچنے کے لیے اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے تعمیر کروایا تھا۔ ابتداء میں یہ ایک چوکی کی صورت میں موجود تھا جو بعدازاں "مظفلوے قلعے" کے نام سے مشہور ہوا۔ قلعہ رام کوٹ کو تین اطراف سے دریائے جہلم اور دریائے پونچھ نے گھیرا ہوا ہے۔ قلعے کی کھدائی کے دوران پانچویں اور نویں صدی عیسوی کے نوادرات بھی دریافت ہوئے ہیں۔

قلعہ رام کوٹ حربی زاویے کے اعتبار سے انتہائی اہم اور حساس ترین مقام ہے۔ دفاعی اغراض و مقاصد کے حامل، اس ریاست جموں و کشمیر میں داخل ہونے کے لیے دریا کو عبور کرنا پڑتا ہے جو اب منگلا جھیل کا حصہ ہے۔ مہاراجہ کا خزانہ بھی قریب ہی تہہ خانے میں محفوظ تھا۔ علاقے کا سال بھر کا نقد مالیہ و جنس بھی ذخیرہ کیا جاتا تھا۔

آئیے اب ہم آپ کو قلعے کے اندر کی سیر کرواتے ہیں۔ کشتی کا سفر طے کرنے کے بعد آپ قلعے کی دیواروں کے نیچے ہوتے ہیں۔

آگے بڑھیں تو آپ کے عین سامنے ایک برج نظر آئے گا۔ اس کے کنگروں کا درمیانی فاصلہ پورے قلعے سے نرالا ہے۔ درمیانی فاصلے کو دیکھ کر لگتا ہے کہ اس وقت فوج توپوں کا استعمال کرتی تھی۔ اس کے برج کے بائیں جانب ایک برج پر بہت خوب صورت چھتری ہے جو بہت منفرد ہے، اور کہیں بھی یہ چھتری آپ کو نظر نہیں آئے گی۔ قلعے کا صدر دروازہ چھتری والے برج کے بائیں جانب ہے۔ صدر دروازے کی ترتیب کچھ اس طرح ہے کہ اس کے عین سامنے ایک عمودی ڈھلان ہے جس پر کوئی سورما یا گھڑ سوار، پیادہ تیز رفتاری سے نہیں چڑھ سکتا، خاص طور پر جنگی سامان کے ساتھ۔ حملہ آور ہاتھیوں سمیت بھی نہیں گزر سکتے تھے۔ صدر دروازے پر حملہ کرنے کے لیے چھتری والے برج کے نیچے دائیں جانب گھومتا ہوا آئے۔ سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں زاغ بندی یعنی دروازے کے اوپر سے حملہ آوروں پر ابلتا پانی پھینکا جائے۔ یہ

دفاع کے لیے ہوا کرتا تھا لیکن رام کوٹ کے قلعے کو زیر کرنے کا طریقہ escalade تھا، یعنی دیواروں پر سیڑھیاں لگا کر۔ صدر دروازے سے اندر جائیں تو ڈیوڑھی کے بعد ایک کھلا احاطہ آئے گا جس میں ایک تالاب ہے۔ اس عمارت کے دائیں طرف چوڑے کینگروں والا برج ہے جس پر دمدمے کے ذریعے پہنچا جا سکتا تھا۔ دمدمہ دیکھ کر لگتا ہے کہ توپوں کا استعمال ہوا کرتا تھا اور اوپر ایک قدیم توپ بھی نصب ہے۔

قلعہ رام کوٹ کی دفاعی فصیل پر بے شمار حفاظتی پشتوں کے علاوہ بہت سے مینار بنائے گئے ہیں جن میں دو مینار اب بھی باقی ہیں۔ فصیل میں باقاعدہ ترتیب کے ساتھ بندوقچیوں کے استعمال کے لیے قلعے کے شمال میں زیرِ زمین تہہ خانے بھی ہیں۔ یہاں صحن میں ٹھنڈے تہہ خانوں کی صورت میں ڈوگرہ حکم رانوں کی رہائش گاہیں بھی ہیں۔ قریب ہی شیوا کا مندر بھی ہے۔

مغلیہ دور سے قبل یہ قلعہ مقامی گکھڑ حکم رانوں کے قبضے میں تھا جو پوٹھوہار سے گزرنے والے ہندوستان پر بیرونی حملہ آوروں کے لیے مسلسل خطرہ تھا۔ گکھڑوں کے حملے سے بچنے کے لیے شیر شاہ سوری نے جرنیلی سڑک پر قلعہ روہتاس تعمیر کرنا پڑا۔ 1846ء میں جدید ریاست جموں و کشمیر کے مہاراجہ گلاب سنگھ کی افواج نے شیر باز خان گکھڑوں کو شکست دے کر اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس نے قلعے کا ایک زیریں خفیہ حصہ تعمیر کیا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے شیوا مندر تعمیر کر کے اسے رام کوٹ کا نام دیا۔ بلندی یا فضا سے دیکھنے پر آزاد کشمیر کے دیگر قلعہ جات تیر کمان کی مانند نظر آتے ہیں، منگلا قلعہ، رام کوٹ قلعہ، تھرو چی قلعہ (گل پور)، کرجائی قلعہ (کھوئی رٹہ)، اعظم گڑھ قلعہ (راجوری مقبوضہ کشمیر) اور سری نگر کے شمال مغرب میں واقع بھیم گڑھ کے قلعہ جات ایک قطار میں ہیں جب کہ مظفر آباد قلعہ، رام کوٹ قلعہ، منگلا دیوی قلعہ، برجن قلعہ، سوال شریف قلعہ، قلعہ باغسر (سماہنی) اور مقبوضہ جموں کشمیر کا قلعہ باہو ایک کمان کی شکل میں خوب صورت ترتیب کے ساتھ تعمیر کیے گئے ہیں جنہیں ریاست جموں کشمیر کے دفاعی قلعے کہا جاتا ہے۔

دریائے جہلم سے آنے والے گرم پانیوں اور دریائے پونچھ سے آنے والے ٹھنڈے پانیوں کی آمیزش سے قلعہ رام کوٹ کے پہلو میں واقع اس خوب صورت سنگم "تنگروٹ" پر آبی حیات، بالخصوص گرم پانیوں کی ملکہ مچھلی "مہاشیر" کی اٹھکیلیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ماضی میں تنگروٹ کے مقام پر دو دریاؤں کے خوب صورت سنگم پہ ایک عالمی سطح کا سیاحتی اسپاٹ بھی تھا جس کا نام "اینگلرز ہارٹ" تھا جس پر خوب صورت کاٹیج تعمیر کیا گیا تھا۔ کاٹیج میں خصوصی لائبریری بنائی گئی تھی، جس میں آبی حیات اور جنگلی حیات پر مبنی انتہائی نادر کتب کا بیش قیمت خزانہ موجود تھا۔ اس بین الاقوامی سیاحتی مرکز پر برطانیہ کے سابق وزیرِاعظم چرچل، وائسرائے ہند، لارڈ ماؤنٹ بیٹن، فرانس، جرمنی، آسٹریلیا اور کینیڈا کی قد آور شخصیات کے علاوہ سابق صدر، پاکستان ایوب مہاشیر مچھلی کا شکار کرنے اور قلاتث کی اس حسین ترین وادی سے محظوظ ہونے آیا کرتی تھیں۔ ☆☆☆

نواب صاحب کے زرافے

احمد عدنان طارق

ایک نواب صاحب کے پاس کچھ پالتو زرافے تھے۔ نواب صاحب نے کبھی انہیں گنا تو نہیں تھا مگر انہیں یقین تھا کہ اس کے پاس تین زرافے تو ہوں گے۔ نواب صاحب کے مالی حالات کچھ اچھے نہیں تھے اور وہ مجبوری کے عالم میں اپنے قلعہ میں رہا کرتے تھے۔ یہ قلعہ سمندر کے کنارے پر واقع ایک اونچی چٹان پر بنا ہوا تھا۔ رات کو جب تیز ہوا چلتی تو سمندر کی لہریں کنارے کی چٹانوں سے سر پٹختیں اور ان کی پھوار رم جھم کی صورت میں قلعہ کی چھت پر برستی رہتی۔ اس رم جھم سے نہ تو نواب صاحب کو کوئی شکایت تھی اور نہ ہی اس کے زرافوں کو، وہ ہمیشہ خوش ہی رہتے تھے۔

جب گرمی کا موسم ہوتا تو وہ ساحل سمندر کی ریت پہ مختلف کھیل کھیلتے یا پھر وہ نواب صاحب کو ان کی پسندیدہ رس بھری کی آئس کریم بنانے میں مدد کرتے۔ جب سردی ہوتی اور تیز خنک ہوا قلعہ کی چمنیوں سے گزرتے ہوئے گنگناتی تو وہ نواب صاحب کے کمرے میں ہی براجمان ہو جاتے۔ وہ اپنا پسندیدہ مشروب پیتے اور نواب صاحب اپنی آرام دہ کرسی پر بیٹھ کر انہیں اپنے نوابی خاندان کے متعلق فخر سے قصے سناتے۔ ان قصوں کے دوران یہ زرافے نہ تو نواب صاحب کو ٹوکتے اور نہ ہی کوئی سوال پوچھتے۔ نواب صاحب کو یہ جانور بہت اچھے لگتے تھے۔ وہ خوشی میں کبھی کبھی انہیں کوئی پہیلی بھی پوچھ لیتے۔ وہ ان سے پوچھتے کہ آخر ہر اتوار زرافے کی طرح کیوں ہوتا ہے؟ وہ یہ پہیلی پوچھتے اور بار بار پوچھتے مگر ہر دفعہ زرافے یہ پہیلی یوں سن کر پریشان ہو جاتے جیسے پہلی دفعہ یہ پہیلی سن رہے ہوں اور پریشانی سے وہ ایک دوسرے کو بیوقوفوں کی طرح دیکھنے لگتے۔ جب نواب صاحب زرافوں کو پریشان دیکھتے تو خود ہی اپنی پہیلی کا جواب دیتے کہ زرافوں کی گردن اتنی لمبی ہوتی ہے جتنا پورا ہفتہ اور ہفتے کے سات لمبے دن گزرتے ہیں تو اتوار آتا ہے۔ پھر وہ خود ہی ہنس ہنس کر دوہرے ہو جاتے اور مزاج اچھا ہونے کی وجہ سے وہ سب مل کر مزید کوئی مزے کی چیز پیتے۔

نواب صاحب کے پڑوس میں ایک ارب پتی شخص رہتا تھا جس کے دو بچے تھے۔ بیٹے کا نام جگنو اور بیٹی کا نام مٹو تھا۔ وہ اکثر اوقات سمندر کے کنارے بنے ہوئے اونچے لائٹ ہاؤس پر چڑھ کر نواب کے زرافوں کو دیکھا کرتے۔ وہ لائٹ ہاؤس ان کے ارب پتی والد نے بحری جہازوں کی رہنمائی کے لیے سمندر کے کنارے بنوایا تھا۔ وہ اتنا اونچا تھا جس پر چڑھ کر دونوں بچے بخوبی نواب صاحب کے قلعہ میں جھانک سکتے تھے۔ ایک دن دونوں بچوں نے صبح سویرے زرافوں کو دیکھا جو عام حالات سے زیادہ مصروف نظر آ رہے تھے۔ وہ دوڑتے ہوئے قلعے سے باہر جاتے اور نواب صاحب کے باغیچے میں لگے ہوئے سب سے اچھے چیری کے درخت کے قریب جاتے اور وہاں سے لدی شاخیں توڑ لاتے۔ نواب صاحب

بھی یہ نظارہ شوق سے دیکھ رہے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ شاید کل ان کی سال گرہ ہے۔ ہر سال گرہ پر ان کے زرافے چیری والے ذائقے کا کیک خفیہ طور پر بناتے تھے تاکہ نواب صاب کو حیران کر سکیں۔ ہر نواب کی طرح نواب صاحب کے سینکڑوں رشتہ دار اور دوست احباب تھے۔ سال گرہ پر ڈاکیا بڑے بڑے پارسل ان دوستوں کی طرف سے لاتا جنہیں یہ زرافے وصول کر کے نواب صاحب کی خواب گاہ میں پہنچا دیتے۔ لہٰذا سال گرہ والے دن نواب صاحب صبح سویرے اُٹھتے اور انتظار کرتے کہ کب ڈاکیا ان کے تحفے لے کر آتا ہے لیکن اس دفعہ ڈاکیا نہیں آیا۔ نواب صاحب بہت حیران تھے۔ وہ اُچھل کر اپنے بستر سے نکلے اور سیڑھیاں پھلانگتے نیچے آئے تاکہ دیکھیں آخر زرافے کیا کر رہے ہیں۔ زرافے باورچی خانے میں کیک کی سجاوٹ میں مصروف تھے۔ نواب صاحب بولے۔ ''میرا خیال ہے کہ دروازے کی گھنٹی کی بیٹری ختم ہوگئی ہے۔ کبھی دفعہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ڈاکیا گھنٹی بجاتا رہے لیکن میں بستر میں لیٹے کچھ سوچنے میں مصروف ہوں۔ مجھے علم ہی نہ ہوا ہو اور ڈاکیا میرے تحائف لے کر کھڑا رہا ہو۔ ایسا ہوسکتا ہے نا، کیوں میرے زرافو؟'' زرافے تو بے چارے باری باری ڈاکیے کا انتظار کرتے رہے تھے۔ انہوں نے افسردگی سے ناں میں سر ہلایا۔ نواب صاحب کو ان کی ناں سے جھٹکا تو لگا لیکن پھر بھی وہ بہادری سے بولے۔ ''کوئی بات نہیں، چلو ہم ناشتہ تو کر لیں۔''

حقیقت یہ تھی کہ نواب صاحب کے رشتہ دار اور دوست احباب سب بھول گئے تھے کہ نواب صاحب کی سال گرہ پر تحفہ بھیجنا ہے۔ ہر کوئی یہی سوچتا رہ گیا کہ وہ نواب صاحب کو حیران کرنے کے لیے وقت پر کوئی تحفہ بھیجے گا۔ چوں کہ تمام لوگ ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر رہتے تھے، اس لیے اوّل تو ان کا ملنا محال تھا لیکن اس عرصہ میں وہ ایک دوسرے سے ملے بھی تو انہیں سال گرہ پر بات کرنا یاد ہی نہیں رہا۔ اگر وہ آپس میں بات کر لیتے تو شاید انہیں اندازہ ہو جاتا کہ اس دفعہ وہ تمام سال گرہ پر ایک ہی تحفہ نواب صاحب کو بھجوا رہے ہیں۔ یہ ایسا تحفہ نہیں تھا جسے ڈاک کے ذریعے بھجوایا جا سکتا۔ یہ تحفہ بحری جہاز میں لادا جا سکتا تھا یا ریل کے ڈبے میں یا پھر کسی بڑے ٹرک میں۔ ناشتے کے بعد نواب صاحب سوچ ہی رہے تھے کہ کیا وہ اپنے کمرے میں واپس چلے جائیں کہ اچانک دروازے کی گھنٹی بجنے لگی۔ ایک زرافہ بھاگ کر گیا اور دیوار کے اوپر سے باہر دیکھنے لگا۔ دروازے کے باہر اس دفعہ ڈاکیا نہیں بلکہ اسٹیشن ماسٹر صاحب کھڑے تھے۔ زرافے نے دروازہ کھولا تو اسٹیشن ماسٹر صاحب نے کہا۔ ''ان کاغذات پر دستخط کر دیجیے پلیز۔ آپ کا سامان تھوڑی دیر تک پہنچ رہا ہے۔'' زرافے بے چارے کو اپنا نام تک لکھنا نہیں آتا تھا۔ وہ باورچی خانے میں گیا تاکہ نواب صاحب کو باہر لائے۔ جب نواب صاحب باہر آئے تو دو اجنبی زرافے وہاں لائے جا چکے تھے۔ ان کے پیچھے تین اور زرافے تحفے کی صورت میں آئے تھے اور ان کے پیچھے چھ مزید زرافے تھے۔ نواب صاحب کو زرافوں کو سڑک سے ہٹانا پڑا کیوں کہ ایک بڑا ٹرک آ کر ان کے دروازے پر رُکا جس میں سے ڈرائیور باہر نکلا اور اس نے ٹرک کا پچھلا دروازہ کھولا اور وہاں سے پانچ مزید تھکے ماندے زرافوں کو اُتارا۔ اِدھر اسٹیشن ماسٹر صاحب ایک دیوار کا سہارا لے کر کھڑے انتظار کر رہے تھے کہ نواب صاحب کاغذات پر دستخط کریں۔ اُدھر نواب صاحب نے سامنے بندرگاہ پر دیکھا کہ ایک بڑی کشتی وہاں لنگر انداز ہوئی ہے جس پر تین اور زرافے اپنی لمبی گردنیں اُٹھا کر دیکھ رہے تھے کہ وہ کہاں پہنچ گئے ہیں۔ تب نواب صاحب اسٹیشن ماسٹر کے پاس پہنچے تاکہ کاغذات پر دستخط کریں۔ وہ ہنس کر بولے۔ ''لگتا ہے کہ آخر کوئی پارسل آ ہی گیا ہے۔''

اسی لمحے انہوں نے خود کو کتنے ہی اجنبی زرافوں میں گھرا ہوا دیکھا جو ان کو جھک کر سلام کر رہے تھے اور منہ میں دبے ہوئے سال گرہ مبارک کے کارڈ بھی دے رہے تھے۔ کچھ کارڈ نواب صاحب نے پڑھے، لکھا تھا: ''سال گرہ مبارک! اس دفعہ میں تمہیں سال گرہ کا ذرا مختلف تحفہ بھیج رہی ہوں۔'' خالہ دلشاد بیگم۔ پھر دوسرے کارڈ پر لکھا تھا۔ ''سال گرہ مبارک! میں اس دفعہ تمہیں ذرا مختلف قسم کا تحفہ بھیج رہا ہوں۔'' چچا آصف۔ نواب صاحب یہ پڑھ کر بڑبڑائے۔ ''بڑی بڑی مہربانی!'' حقیقت میں وہ اتنا خوش نظر نہیں آ رہے تھے، پھر بھی انہوں نے تمام آئے ہوئے زرافوں کا شکریہ ادا کیا اور سب سے پوچھا کہ تھکے چکنے ہوئے زرافوں میں سے کوئی نہانا چاہتا ہے؟'' آخر کچھ وقفے کے بعد جب زرافوں کی تھکاوٹ دُور ہوگئی تو وہ باغیچے میں چلے گئے اور کھیل کود میں مشغول ہو گئے۔ نواب صاحب بھی ان کے کھیل کود سے محظوظ ہو رہے تھے لیکن اندر ہی اندر وہ فکرمند بھی تھے، کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ وہ

اتنے زرافوں کا خرچ شاید نہیں اُٹھا سکیں گے۔ وہ تو پہلے زرافوں کا خرچ مشکل سے اُٹھا رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔ ''مجھے علم ہے کہ ہم اپنے وسیع باغیچے میں ایک میلے کا بندوبست کر سکتے ہیں جس سے ہم رقم کما سکتے ہیں۔'' زرافے یہ سن کر خوش ہو گئے۔ پھر انہوں نے نواب صاحب کی شہر میں میلے کے اشتہار لگانے میں مدد کی۔ باغیچے میں بچوں کے لیے مزے مزے کی چیزیں رکھیں۔ غبارے، آئس کریم، کیک، ٹافیاں اور بچوں کے لیے کھیل کود میں چھوٹے چھوٹے مقابلے منعقد کروانے کا بندوبست تھا۔ یہ سب نظارہ جگنو اور متو بھی لائٹ ہاؤس کی اُونچائی سے دیکھ رہے تھے لیکن وہ یہ سب دیکھ کر اُکتائے ہوئے تھے۔ دراصل وہ تو ہر وقت اُکتائے رہتے تھے کیوں کہ ہر وقت وہ منفی انداز میں سوچتے رہتے تھے۔ جگنو بولا۔ ''نواب صاحب میلہ لگا رہے ہیں تاکہ وہ کچھ رقم کما سکیں اور ان فضول زرافوں کو کھلا سکیں۔'' متو بولی۔ ''تو یہ بات ہے لیکن اتنے فضول میلے کو ہم کچھ رنگین بنا سکتے ہیں۔'' جگنو بات کو سمجھ کر بولا۔ ''ہاں! ٹھیک ہے لیکن اندھیرا ہونے کے بعد۔'' اگلا دن بہت گرم تھا۔ آسمان پر بادلوں کا ایک ٹکڑا بھی نہیں تھا۔ نواب صاحب میلے کی کامیابی کے لیے بڑے پُراُمید تھے۔ دوپہر دو بجے تک ہر کوئی میلے کو دیکھنے آ گیا تھا۔ زرافے آئس کریم کو سجا رہے تھے اور چوری چوری تھوڑی تھوڑی آئس کریم پر ہاتھ بھی صاف کر رہے تھے لیکن جیسے ہی زرافوں نے آئس کریم چکھی، وہ اتنی نمکین تھی کہ زرافوں کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ پھر انہوں نے مٹھائی دیکھی تو صاف دکھائی دے رہا تھا کہ مٹھائی کے ہر ٹکڑے سے کچھ حصہ غائب تھا اور تمام مٹھائی جوٹھی ہو چکی تھی۔ ایک زرافہ جو کیک اُٹھانے گیا تھا جب وہ کیک لے کر آیا تو اس پر ریت پڑی ہوئی تھی۔ نواب صاحب حیران تھے کہ اتنی بُری حرکت کون کر سکتا ہے؟ کھانا خراب ہو چکا تھا۔ نواب صاحب نے زرافوں کو اشارہ کیا کہ وہ مقابلے شروع کریں۔ ہجوم نے بُرا نہیں منایا۔ انہوں نے کھیل کھیلے اور دوڑ لگائی۔ قلعے بنائے اور نواب صاحب کی پہیلیاں بوجھتے رہے۔ انہوں نے اتنی پہیلیاں بوجھیں کہ نواب صاحب کے رکھے سب انعام جیت لیے۔ جگنو اور متو نے خاصی دیر پہلے ہی میلہ دیکھنا بند کر دیا تھا۔ انہوں نے فالتو چیزوں کو تلف کرنے کے لیے لائٹ ہاؤس پر آگ روشن کر رکھی تھی۔ متو کو گیراج میں سے ایک بوتل ملی تھی جس میں کوئی رنگین مادہ تھا۔ اس نے جگنو کو کہا کہ وہ آگ پر اسے انڈیل رہی ہے کیوں کہ وہ جیسی آگ سے اُکتا چکی تھی۔ جگنو کے ہاں کرتے ہی اس نے وہ مادہ آگ پر انڈیل دیا لیکن وہ کوئی آتش گیر مادہ تھا۔ کچھ ہی ساعتوں میں وہاں ہر طرف آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ اب متو کو سمجھ آئی کہ وہ پٹرول تھا کیوں کہ فرش پر ہر طرف شعلے لپک رہے تھے۔ جگنو کھڑکی سے منہ نکال کر ''مدد، مدد'' چلانے لگا۔ میلے میں موجود لوگوں کی نظر اس تک نہیں پڑی کیوں کہ وہ تو نواب صاحب کی پہیلیاں بوجھنے میں مصروف تھے لیکن دو زرافے

جو جیتنے والے لوگوں کے لیے قلعے سے انعام لا رہے تھے، انہوں نے جگنو کو دیکھا تو فوراً بھاگے تاکہ اس کی مدد کریں۔ جب وہ بچوں کے پاس پہنچے تو آگ کے شعلے بھی بچوں کے پیروں تک پہنچ گئے تھے۔ بچے کھڑکی کے باہر بنے ایک چھوٹے سے چھجے پر کھڑے شور مچا رہے تھے۔ زرافوں کی گردنیں بچوں تک پہنچ گئیں۔ بچے کھڑکی سے زرافوں کی گردنوں کو مضبوطی سے پکڑ کر پھسلتے ہوئے ان کی کمر پر جا پہنچے اور اسی حالت میں میلے کو لوٹے جہاں دوسرے زرافے ٹوکریاں ریت سے بھر بھر کر آگ بجھانے جا رہے تھے۔ وہ اب آگ تقریباً بجھا چکے تھے۔ حیران پریشان جگنو اور مٹو نے زرافوں کا شکریہ ادا کیا اور گھر بھاگ گئے۔ اگلے دن نواب صاحب بے چارے اپنی آرام دہ کرسی پر بیٹھے سوچ رہے تھے کہ شاید یہ کرسی بھی بک جائے تاکہ زرافوں کا خرچ پورا ہو۔ میلے سے تو انہیں کوئی کمائی نہیں ہوئی تھی کیوں کہ بکنے والی چیزیں تو بکنے سے پہلے ہی خراب ہو چکی تھیں۔ وہ زرافوں کو کہہ رہے تھے کہ انہیں علم نہیں کہ اب وہ کیا کر سکتے ہیں؟ تبھی انہوں نے کسی گاڑی کے ٹائروں کے رُکنے کی آواز سنی۔ نواب صاحب نے دیکھا تو باہر ایک بڑا ٹرک کھڑا تھا جس میں جگنو اور مٹو اپنے ارب پتی والد کے ہمراہ بیٹھے تھے۔ جگنو اور مٹو ٹرک سے اُتر کر دوڑتے ہوئے نواب صاحب کے گھر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ دونوں بچوں نے نواب صاحب کو بتایا کہ ان کے والد ان کی زندگی بچانے کے بدلے شکریہ ادا کرنے آئے ہیں اور آپ کے لیے اس کے بدلے میں تحفہ بھی لائے ہیں۔ نواب صاحب بے چارے دوبارہ سوچ رہے تھے کہ ٹرک میں شاید مزید زرافے تو نہیں ہوں گے۔ وہ ٹرک کے اندر دیکھنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ پھر انہوں نے مُڑ کر ٹرک کی طرف دیکھا اور اطمینان کا سانس لیا جب انہوں نے زرافوں کی خوشی سے بھری آوازیں سنیں، کیوں کہ ٹرک میں ان کے کھیلنے کودنے کی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ چیزیں باغیچے میں اُتار دی گئیں اور زرافے ان سے کھیلنے لگے۔ جگنو اور مٹو کے والد نے کہا: ''مجھے بہت افسوس ہے کہ میرے بچوں نے آپ کی چیزیں خراب کی تھیں لیکن نواب صاحب ان کے بدلے میں آپ کو اتنی رقم دے رہا ہوں جس سے ساری زندگی آپ ان زرافوں کا خرچ برداشت کر سکتے ہیں۔'' نواب صاحب بہت خوش ہوئے انہوں نے جگنو اور مٹو کے والد کا کئی دفعہ شکریہ ادا کیا۔ ادھر جگنو اور مٹو بھڑکنے والی آگ سے اتنے چونک چکے تھے کہ اب وہ کوئی کام کرنے میں اُکتاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔ ہر روز کبھی وہ زرافوں کو لائٹ ہاؤس چائے پر بلا لیتے یا پھر کوئی تحفہ دینے باغیچے میں چلے جاتے۔ نواب صاحب کو بھی زرافوں سے بہت محبت تھی۔ وہ اب بھول گئے تھے کہ زرافوں کی تعداد زیادہ ہے۔ انہیں علم تھا کہ خدا نے جسے پیدا کیا ہے، اسے کسی بہانے سے رزق بھی اسی نے دینا ہے، لہٰذا وہ خوشی خوشی زندگی بسر کرتے رہے۔☆☆☆

جب سلطان محمود غزنوی کی قبر کو کھودا گیا تو کیا ہوا؟

سلطان محمود غزنوی نے دُنیا میں تینتیس (33) سال حکومت کی اور اس وقت کا دُنیا کا شجاعت اور دُنیا پر اثر و رسوخ رکھنے والا دوسرے نمبر کا بادشاہ تھا۔ پہلے نمبر پر چنگیز خان تھا، دوسرے نمبر پر محمود غزنوی تھا، تیسرے نمبر پر سکندر یونانی تھا، چوتھے پر تیمور لنگ تھا اور یہ دوسرے نمبر کا بادشاہ تھا محمود غزنوی۔ 410 ہجری میں سلطان محمود غزنوی کی وفات ہوئی اور یہ واقعہ سچا اور انفرادی حیثیت رکھتا ہے کہ 1974ء میں شہر غزنوی میں زلزلہ آیا جس سے سلطان محمود غزنوی کی قبر پھٹ گئی اور مزار بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا تو اس وقت کے افغانستان کے بادشاہ ظاہر شاہ مرحوم نے دوبارہ مزار کی تعمیر نو کی اور قبر کو مرمت کروایا۔ تعمیر کے مقصد کے لیے قبر کو پورا کھول دیا گیا کیونکہ قبر نیچے تک پھٹ گئی تھی۔ جب قبر کو کھودا گیا تو قبر کے معمار اور قبر کی زیارت کرنے والے حیران رہ گئے کہ قبر کے اندر سے ہزار سال سے مرے ہوئے انسان اور تابوت کی لکڑی صحیح سلامت ہے۔ سب لوگ حیران اور ورطۂ حیرت کا شکار ہو گئے۔ حکام نے تابوت کو کھولنے کا حکم دیا تو جس آدمی نے کھولا تو پلٹ کر پیچھے گرا اور بے ہوش ہو گیا تو جب پیچھے لوگوں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو سلطان جو 33 سال حکومت کر کے مرا اور مرے ہوئے ہزار سال گزر چکے ہیں وہ اپنے تابوت میں ایسے پڑا تھا جیسے کوئی ابھی اس کی میت کو رکھ کے گیا ہے اور اس کا سیدھا ہاتھ سینے پر تھا اور ہاتھ ایسے نرم جیسے زندہ انسان کے ہوتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ نے ایک جھلک دکھائی کہ جو میرے محبوب کی غلامی اختیار کرتے ہیں۔ وہ بادشاہ بھی ہو گئے تو وہ اللہ کے محبوب بن کے اللہ کے دربار میں کامیاب ہو کر پیش ہوں گے۔ زندگی مختصر ہے اور وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ وقت کے آگے طاقت ور سے طاقت ور بادشاہ کمزور اور بے بس ہے۔ وقت کو کوئی نہیں روک سکا لیکن وقت پر جس شخص نے اللہ کی مخلوق کی بہتری، بھلائی اور اللہ کی خوشنودی کو مقدم رکھا، وہی مرنے کے بعد بھی لافانی ہے۔

کیڑے مکوڑوں کی دُنیا میں چیونٹی بہت عجیب اور پُر اسرار مخلوق ہے۔ یہ دُنیا کے تقریباً تمام خطوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ مختلف رنگوں میں ہوتی ہیں مگر سیاہ وسفید چیونٹیاں زیادہ عام ہیں۔ ان کا جسم ننھا منا ہوتا ہے جو کمر، بازو اور منہ پر مشتمل ہے۔ ان کی خوراک کیڑے مکوڑے، اناج اور دوسری چیونٹیاں ہوتی ہیں۔ یہ برفانی علاقوں میں نہیں پائی جاتیں۔ اس وقت چیونٹیوں کی دس ہزار اقسام دریافت ہو چکی ہیں۔

چیونٹیاں گروہوں اور جتھوں کی صورت میں رہتی ہیں۔ ایک چیونٹی بستی میں زیادہ سے زیادہ دو لاکھ چیونٹیاں رہتی ہیں۔ ایک بستی میں ایک یا دو ملکہ یا رانیاں ہوتی ہیں۔ ملکہ چیونٹی دوسری چیونٹیوں سے جسم میں زیادہ بڑی ہوتی ہیں۔ چیونٹیاں باقاعدہ تقسیم کار کے نظام کے تحت رہتی ہیں۔

بعض چیونٹیاں کارکن ہوتی ہیں۔ بعض محافظ اور بعض چیونٹیاں ڈاکو چیونٹیاں ہوتی ہیں، جو دوسری چیونٹی بستیوں اور کیڑے مکوڑوں کے بلوں میں زبردستی گھس کر ان کی خوراک لوٹ لیتی ہیں۔ بعض چیونٹیاں خانہ بدوش بھی ہوتی ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنی بستیاں منتقل کر لیتی ہیں۔

چیونٹیاں زیرِ زمین سوراخوں اور بلوں میں اپنے گھونسلے بناتی ہیں۔ یہ چھوٹے اور مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔ بعض کھلی جگہوں، باغوں اور گھروں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ملکہ چیونٹی انڈے دیتی ہے اور کارکن چیونٹیاں ان انڈوں کی نگہداشت اور ملکہ چیونٹی کی خوراک کا انتظام کرتیں ہیں۔ چیونٹی مکمل طور پر معاشرتی اور گروہی زندگی بسر کرتی ہیں۔ ان میں انفرادی کام کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہر چیونٹی ہر کام ساری بستی کے اجتماعی مفاد کو محض آگے بڑھانے کا ذریعہ ہے۔

قرآن مجید سورۃ نمبر 27 کا نام ہی النمل (چیونٹی) ہے۔ اسی سورۃ میں حضرت سلیمانؑ اور چیونٹیوں کی بستی والا دل چسپ قصہ ہے۔ حضرت سلیمانؑ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے اور اپنے وقت کے بادشاہ بھی تھے۔ آپ کی سلطنت بے حد وسیع تھی۔ یہ شمال مشرق میں دریائے فرات تک، جنوب مشرق میں یمن تک اور مغرب میں بحیرہ روم تک، شمال میں گلیلی تک اور جنوب میں مصر کی سرحدوں سے جا ملتی تھی۔ حضرت سلیمانؑ کو اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی بولیاں سمجھنے کا ملکہ عطا کیا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت سلیمانؑ اپنی فوجوں کی کمان کرتے ہوئے ایک جنگل سے گزرے۔ جب آپ ایک بستی کے قریب سے گزرے تو ایک سمجھ دار چیونٹی نے فوجیوں کے پاؤں تلے کچلے جانے کا ممکنہ خطرہ فوراً بھانپ لیا۔ اس نے شور وغل مچا کر باقی چیونٹیوں کو خبردار کر دیا کہ وہ فوجیوں کے پاؤں تلے روندے جانے سے بچاؤ کی خاطر فوراً اپنے اپنے بلوں میں گھس جائیں۔

حضرت سلیمانؑ نے جب اس دانا چیونٹی کا واویلا سنا تو بے اختیار ہنس پڑے۔ آپ نے فوراً حکم دیا کہ احتیاط سے مارچ کریں تاکہ کوئی چیونٹی کسی فوجی کے پاؤں تلے نہ روندی جائے اور آپ اللہ کا شکر بجا لائے کہ اس نے آپ کو جانوروں کی زبان سمجھنے کی نایاب صلاحیت عطا کی ہے۔ چیونٹی کی کہانی نہ صرف دلچسپ ہے بلکہ اس میں ایک سبق بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر چھوٹی بڑی مخلوق کے لیے شفقت ومحبت اور احترام کا اظہار کرنا چاہیے۔ ......☆

دسمبر 2015ء کے "بلاعنوان کارٹون" کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، اُن میں سے مجلسِ ادارت کو جو عنوانات پسند آئے، اُن عنوانات میں سے یہ ساتھی بہ ذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔

- سجنو! اب تک ہم کھلونوں کی دنیا میں رہتے رہے مگر اب ادھر کا ارادہ ہے (نامیہ مریم، لاہور)
- بندر اور بھالو کا انوکھا کمال، کہ ہمارا جہان ہے خوشی سے نہال (محمد حمزہ سعید، بورے والا)
- بھالو بندر جھولا جھولیں، بچے بجائیں تالیاں (فاطمہ نور، شیخوپورہ)
- تیری میری یہ دوستی، سلامت رہے تا قیامت رہے (تماضر ساجد، صادق آباد)
- میں بتاتی ہوں ایک انوکھی بات، بندر اور بھالو جھولے پہ ایک ساتھ (زینب سہیل، لاہور)

تصاویر صرف افقی رخ میں ہی بنائیں۔
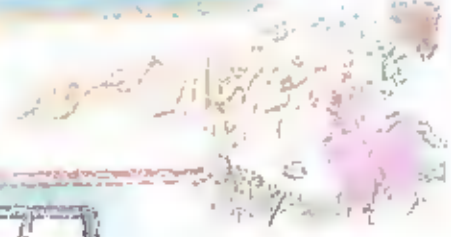
کشف طاہر، لاہور (پہلا انعام :195 روپے کی کتب)

عشال فاطمہ، راول پنڈی (دوسرا انعام :175 روپے کی کتب)

محمد عثمان علی، لاہور (تیسرا انعام :125 روپے کی کتب)

اسامہ ظفر راجہ، راول پنڈی (چوتھا انعام :115 روپے کی کتب)

عائشہ چوہدری، فیصل آباد (پانچواں انعام :95 روپے کی کتب)

کچھ اچھے مصوروں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی: دیبا گل جی، ٹوگ بابا۔ حسن سلیم، کراچی۔ سفرہ طلعت، لاہور۔ کشف جاوید، فیصل آباد۔ حسین بلال، گوجر خان۔ شاہ سوار احمد، کلیام۔ خدیجہ شجاعت، لاہور۔ وجیہہ نوید، کراچی۔ سازیہ نعمان، لاہور۔ مومنہ قاضی، راول پنڈی۔ ثمرہ ندیم، لاہور کینٹ۔ رزا اقبال کھوٹ، راول پنڈی۔ مناہل وسیم، لاہور۔ تحریم صالحہ، بہاول پور۔ عثمان علی بھٹی، لاہور۔ حمزہ سنبل، لاہور۔ ارفع اختر، راول پنڈی۔ محمد حسن ندیم، کراچی۔ اقصیٰ بی بی، راول پنڈی۔ عائکہ وسیم، لاہور۔ مومنہ نواز خان، حسن نواز خان، واہ کینٹ۔ عمیرہ شاہد، راول پنڈی۔ محمد حسنین، حسن ابدال۔ لائبہ رؤف، لاہور۔ سمعیہ توقیر، کراچی۔ ام رومان چنیوٹی، چنیوٹ۔ مومنہ عامر حجازی، لاہور۔ سعود الحسن، جانیوال۔ عثمان حیدر، پشاور۔ نورین اشفاق، رحیم یار خان۔ نورالامین، اسلام آباد۔ اعیان جنید، حیدر آباد۔ لائبہ بشیر، قلعہ دیدار سنگھ۔ بشریٰ بتول، جہلم۔

ہدایات: تصویر 6 انچ چوڑی، 9 انچ لمبی اور رنگین ہو۔ تصویر کی پشت پر مصور اپنا نام، عمر، کلاس اور پورا پتا لکھئے اور سکول کے پرنسپل یا ہیڈ مسٹریس سے تصدیق کروائے کہ تصویر اسی نے بنائی ہے۔

فروری کا موضوع
وادیٔ کشمیر
آخری تاریخ 8 فروری

جنوری کا موضوع
عید میلاد النبی
آخری تاریخ 8 جنوری